سیرتِ مبارزاتی

مصنف:

احمد فاطمی

بسم الله الرحمن الرحيم

نام کتاب: سیرتِ مبارزاتی

مصنف: احمد فاطمی

پبلیشر: قلم کارانِ سربکف پبلیکیشنز پاکستان

مرتب کنندہ: سید شہروز حسین زیدی

نظرِ ثانی: سیدہ معصومہ فاطمہ

اشاعتِ اول: جون ۲۰۲۰ء

قیمت: ۲۲۰ روپیہ

انتساب

ان مبارزین کے نام جو ۱۴۰۰ سال میں راہِ امامت و ولایت پہ قائم رہتے ہوئے طواغیتِ زمان کے خلاف سریتِ مبازارتی کی پیروی میں اپنے آخری قطرہِ خون تک مصروفِ پیکار رہے۔ اس عصر میں سیرتِ مبارزاتی کے عنوان کو ایک زندہ موضوع میں بدلنے والے دو عظیم مجاہدین امام خمینیؒ و امام خامنہ ای کے نام !

فہرست

عرضِ ناشر

بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو خاتم الانبیا اور اسوہِ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اسوہِ حسنہِ محمدی میں ایک اہم باب مغازی ہیں۔ جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے بہترین سپہ سالار اور بہترین اسٹریٹیجک منصوبہ ساز شخصیت ہونے کا ثبوت ہیں اور امت کے لیے تا قیامت ایک ایسا نمونہِ عمل ہیں جس کی پیروی سے امت تمام تر مشکلات و بحرانوں سے کامیابی سے نکل سکتی ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اپنے بعد امت کو جو نمونہِ عمل اور مینارہِ ہدایت عطا کیا وہ قرآن و اہل بیتؑ ہیں اور فرمانِ مصطفی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے مطابق یہ بھی اسوہِ حسنہ کا مصداق ہیں اور تمام معصومینؑ نے اپنی پوری زندگی راہِ خدا میں طواغیت اور فتنوں کے مقابلے میں گزاری جسکا روشن ترین نمونہ معرکہِ کربلا ہے۔ مصنفِ گرامی نے اس عنوان پہ قلم فرسائی کر کے اردو میں اس موضوع کی کمی کو پورا کرنے کی ایک بہترین کوشش کی ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ یہ کاوش بارگاہِ رب العزت میں مقبول اور انسانیت کے لیے نافع ثابت ہو۔

قلم کارانِ سربکف پبلیکیشنز پاکستان

حرفِ اول

جب ہم مفکر اسلام علامہ محمد اقبالؒ کا کلام دیکھتے ہیں تو وہاں مغازی الرسول ایک حقیقتِ جو ادانہ اور اسوہِ حسنہ کے حسین باب کے طور پر نظر آتی ہیں اور نہ صرف سیرتِ نبوی بلکہ سیرتِ علوی، سیرتِ فاطمی، سیرتِ عاشورائی بھی اسی طرح اسوہِ حسنہ کے طور پر دیکھائی دیتی ہیں۔

صلح شر گردد چو مقصود است غیر ۔۔۔گر خدا باشد غرض جنگ است خیر۔

در دلِ مسلم مقام مصطفی ست ۔۔۔آبروئے ما ز نام مصطفی ست۔

مصلحت در دینِ ما جنگ و شکوه۔

ایسا اس لیے تھا کہ عالمِ اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی اس زوال پزیری اور سہل پسندی ایک طرزِ زندگی بن چکی تھی۔ اس کو دیکھتے ہوئے اقبالؒ نے اپنے مخصوص الہامی اسلوب اور تجزیے کے بعد راہِ حل تجویز کیا۔ انھوں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے مسلمانوں میں حریت، بیداری اور جہاد کی فکر پیدا کرنے کے لیے اپنے مخصوص اور منفرد انداز میں سیرتِ محمد و آل محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی روشنی میں خودی اور بیخودی کے تصور کو پیش کیا اور احیائے دین اور غلبہِ دین، نفاذِ نظامِ امامت کے لیے جو راہ تجویز کی وہ قرآن و سیرتِ محمد و آل محمد سے مخلصانہ تمسک ہے۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت ۔۔حریت راز ہر اندرکام ریخت

خاست آں سرجلوه خیرالامم ۔۔چوں سحاب قبلہ باراں درقدم

برزمین کربلا بارید ورفت۔۔ لالہ در ویرانہ کارید رفت

اسی عنوان کو مصنفِ گرامی جو کہ مکتبِ محمد و آل محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا پیروکار ہونا، خطِ امام خمینیؒ پہ گامزن ہونا اور افکارِ اقبالؒ کا شاگرد ہونا اپنے لیے باعثِ شرف سمجھتے ہیں، انہوں نے اردو زبان میں موجود تشیع کے علمی میں اس گم شدہ عنوان کے خلا کو پُر کرنے کی جانب قدم بڑھا کر اپنے لیے آنے والی نسلوں کے لیے رسومات، ثواب اور ابائی تہذیب سے بڑھ کر عملی دین کی طرف آنے کے لیے ایک بہترین تحفہ فراہم کیا ہے۔ ہم اس کاوش کے لیے انکو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ نئی نسل کے قارئین اس سے ضرور مستفید ہوں گے اور نئے قلم کار اس موضوع کو مزید وسعت عطا کریں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

سیدہ معصومہ فاطمہ

مقدمہ

بسم اللہ قاصم الجبارین و مبیر الظالمین و وَلِی المومنین ثم الصلوٰۃ و السلام علیٰ سیدنا و نبینا ابا القاسم محمد ابن عبد اللہ خاتم المرسلین و ولی المومنین و علیٰ آلہ طیبین قادۃ المومنین و آئمۃ المسلمین۔ اما بعد

بعد از حمدِ خدا و ثنائے اولیائے الٰہی، قرآن جو کہ لاریب ایک صحیفۂ انقلاب ہے اور اسلام جو ایک دینِ غالب ہے۔ انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ لقد من اللہ علی المومنین۔ اور اس دین مبین و کامل و اکمل کو جو خاتم الادیان ہے سمجھنے اور اس صحیفۂ انقلاب کی فہم کے لیے خدائے رحیم و کریم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو اسوہ حسنہ قرار دیا اور ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے امت کے لیے اس چشمۂ فیضِ الٰہی کو تا قیامت جاری و ساری رکھتے ہوئے بہ حکم وحیِ الٰہی قرآن و اہلبیتؑ کو میزان و مرکز قرار دیا اور امت کے لیے نظام الٰہی جو خود آپ نے ریاستِ مدینہ میں نافذ فرمایا تھا، غدیرِ خم میں تا قیامت امت کے لیے اللہ وحدہٗ لاشریک کا واحد نظام بعنوانِ نظامِ ولایت و امامت متعارف فرمایا۔

اگر کسی بھی زمان و مکان کا انسان جو نورِ اسوہِ کاملہ سے مستفید ہونا چاہتا ہے، مسلمان جینا اور مسلمان مرنا چاہتا ہے اور اپنی روح کی گہرائیوں میں دین کا درد محسوس کرتا ہے اور اللہ کی زمین پہ اللہ کے بندوں کے لیے اللہ کے دین کو اللہ کے نظام میں نافذ العمل دیکھنے کا آرزومند ہے، اور ساتھ میں اس راہ میں خود کو مسئول اور ذمہ دار سمجھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ مستند و کامل سیرتِ محمد و آل محمد

سے روشنی لے کر اسلامِ نابِ محمدی کے نور سے اپنے شعور، اپنی زندگی اور اپنے سماج کو منور کرتے ہوئے، طاغوتی ظلمتوں کی تاریکی سے نکلنے اور دوسروں کو نکالنے کی کوشش کرے۔

متاسفانہ ہمارے معاشرے میں جہاں اسلامِ نابِ محمدی اور نظامِ ولایت و امامت کی تبیین نہیں ہوئی ہے، وہیں سیرتِ محمد و آل محمد سے بھی درست طور پر آگاہی حاصل نہیں ہو سکی، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے کا پڑھا لکھا طبقہ بھی سیرت کے نام پہ چند واقعات کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ جہاں تک علمائے کرام و محققین عظام کا تعلق ہے انہوں نے سیرت کے باب میں تو کام کیا ہے مگر یک طرفہ، سیرت رسول اللہ کو جمع کیا گیا مگر آئمہ اطہارؑ کی سیرت اس شرف سے بھی بہرآور نہ ہو سکی اور رسول اللہ کی سیرت مبارکہ بھی کتابوں میں تو آ گئی مگر عوامی حلقوں تک منتقل نہ ہو سکی۔
سماج کے لیے بطورِ نصاب تدوین کیے جانے اور عصرِ حاضر کی ملی ضروریات کے لیے سیرت کے تحلیلی جائزے کا خواب تو شرمندہ تعبیر کیا ہو تا ابھی شاید خواب بھی مکمل طور پر نہیں دیکھا گیا۔ ایسا معاشرہ جہاں دین کی ہر چیز کو فقط فرقہ وارانہ چپقلش میں بطورِ اوزار استعمال کرنا علمی خدمت اور دینی عبادت سمجھی جاتی ہو، وہاں ایسی امید کرنا شاید حیرت ناک ہو مگر امید کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے

کیونکہ اس ملت کی زرخیزی کی گواہی ان شخصیات[1] نے دی ہے جن پہ مجھ جیسا طالب علم کم حقہ اعتماد کر سکتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں سیرت کے اس گوشے کو موضوعِ بحث قرار دیا گیا ہے جو شاید عوام الناس میں سب سے کم زیرِ بحث آتا ہے۔ سیرت کا گوشۂ مبارزہ، طاغوتی قوتوں کے خلاف، ظالمین و

[1] امام خمینیؒ، علامہ اقبالؒ، مقام معظم رہبری امام خامنہ ای، حجۃ الاسلام سید جواد نقوی وغیرہ

فاسدین ومفسدین کے خلاف الٰہی مبارزہ، جو کہ (معصوم وغیرِ معصوم) ہادیانِ الٰہی[2] کا طرہِ امتیاز رہا ہے۔ مقصود اس مبارزاتی حکمت علمی کو سیرت کے دریچوں سے سمجھنے کی کوشش کرنا ہے اور وہ ہدایت حاصل کرنا ہے جو ہر زمانے کے دشمنانِ حق کے مقابل غلبہِ اسلامِ ناب واحیائے نظامِ امامت کے لیے ہر ملت کی ضرورت ہے۔ آج جب کہ نسلِ نَو کاذب نمونہ ہائے عمل کے پیچھے سرپٹ دوڑ رہی ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسوہِ کاملہِ محمد و آل محمد کو از سرِ نَو متعارف کروایا جائے اور اس ملت کو وہ ذمہ داری یاد کروائی جائے جو انکی عزت و عظمت کی اساس ہے۔ اس کاوش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اگر سید شہروز حسین زیدی، ہاشم رضا بلالی و خانم سیدہ معصومہ فاطمہ اور نہایت قابلِ احترام حاج محمد ریاض کا تعاون شاملِ حال نہ ہوتا تو یہ شاید میرے لیے ممکن نہ ہوتا، اس لیے حکمِ خداوندی کے مطابق ان سب کا اور قلم کارانِ سربکف کی ٹیم کا بے حد مشکور ہوں۔ چونکہ یہ ایک طالب علمانہ کاوش ہے اس لیے یقینی طور پر اس میں غلطیوں کی گنجائش بہر حال ہے۔ امید ہے کہ اہل علم و فن اصلاحی تنقید سے نواز کر ممنون فرمائیں گے۔

طالبِ دعا

محمد احمد فاطمی

---

[2] انبیائے کرامؑ و اوصیائے رسول اللہؐ اور اوصیائے رسولؐ کے سچے نائبین (امام خمینیؒ و علامہ اقبالؒ وغیرہ)

بسم قاصم الجبارین

خاتم المرسلین حضرت محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دنیا میں نورِ ہدایت کے ساتھ مبعوث ہونا انسانیت پر ربِ کائنات کا احسانِ عظیم ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا اسوۂ حسنہ جامعیت میں حیاتِ انسانی کے ہر شعبے کے لیے تا ابد رہنمائی کا اکمل ذریعہ ہے۔ رسالتِ محمدی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی جامعیت و اکملیت کو ایک تحریر کی شکل میں سمونا صرف محال ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے اوصافِ حمیدہ بیان کرنے سے نہ صرف انسانی عقل قاصر ہے بلکہ اہل جہاں کا علم و حکمت بھی کمالاتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو کماحقہ بیان نہیں کر سکتا۔ فی الحقیقت سیرت طیبہ ایک بحرِ بیکراں ہے جس کا احاطہ انسانی دسترس سے ماوراہے۔

ہمارے پیشِ نظر حیاتِ طیبہ کے صرف ایک پہلو ہے، جس کے متعلق امام علی ابن حسین زین العابدین علیہم السلام فرماتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کو مغازی الرسول کی تعلیم بطورِ نصاب دیا کرتے تھے۔ غزواتِ نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی عصری معنویت کیا ہے، ہر عصر اور عصرِ حاضر میں مطالعہ غزوات ضروری ہے۔ اسلامی معاشرے کے لیے یہ پہلو نہ صرف دفاعی میدان میں یکساں قابلِ عمل ہے بلکہ حیاتِ انسانی کے دیگر کثیر سیاسی، سماجی و نظریاتی پہلوؤں میں بھی یکساں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد تعلیم و تربیت اور بنی نوع انسان کی سعادت کی طررف رہنمائی کرنا ہے۔ خداوند متعال نے دین اسلام کو اپنی طرف سے واقعی دین اور پیامبر اعظم (ص) کو آخری پیامبر اور قرآن مجید کو آخری آسمانی کتاب کے طور پر منتخب کیا اور پیامبر اکرم (ص) کو تمام انسانوں کے لیے نمونہ قرار دیا۔

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٞ لِّمَن كَانَ يَرۡجُواْ ٱللَّهَ وَٱلۡيَوۡمَ ٱلۡأٓخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرٗا

اور انسانوں کو آپ (ص)کی اطاعت کا حکم دیا اور قرآن و اہل بیتؑ کے ساتھ متمسک ہونے کوانسان کی سعادت قرار دیا۔

سیرت

سیرہ لغت میں فِعلہ کا ہم وزن ہے جس کے معنی چال چلن ہیں۔اصطلاح میں پیامبر اکرم(ص)کی زندگی کے حالات کی تفصیل اور تاریخ ہے۔شہید مطہری اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں :آپ (ص) کی سیرت ،یعنی وہ طریقہ جو پیامبر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپناتے تھے۔[3]

شجاعت:

امام المجاہدین محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) رسول، خاتم النبین، امام المرسلین، رحمۃ العالمین، امام المسلمین ہونے کے ساتھ ساتھ اسوہ کاملہ اور امامِ جہاد و مقاومت بھی ہے اور دنیا کے سب سے شجاع ترین انسان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہیں۔

جیسا کہ امام علی (ع) نے فرمایا: جب بھی آتش جنگ شعلہ ور ہوتی ہم پیامبر(ص) کی پناہ میں جاتے کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی پیامبر کی طرح دشمن کے نزدیک نہ ہوتا۔[4]

ہر زمانے میں ہر سرزمین کے اہل ایمان کے لیے جاننا ضروری ہے کہ رسول اللہ و آئمہ اطہارؑ کی تبلیغ کی روش کیا تھی؟میدانِ دفاع و مبارزہ میں کیا سیرت تھی؟ تاکہ مومنین اس آئینۂِ ہدایت میں

---

[3] سیری در سیرہی نبوی

[4] نہج البلاغہ،غرائز الکلام

اپنے عصر کے مسائل کا حل نکال سکیں۔ وہ مبارزات جن میں ختمی مرتبت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) خود شریک ہوئے، انکو اسلامی اصطلاح میں غزوہ کہا جاتا ہے۔

غزوہ کی تعریف

"محدثین واہلِ سیر کی اصطلاح میں غزوہ وہ مسلحانہ جنگ ہے جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بذات خود شامل ہوں"

سریہ کی تعریف

"سریہ وہ مسلحانہ جنگ ہے جس میں امام المجاھدین (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بذات خود شامل نہ ہوں بلکہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو دشمن کے مقابلے میں بھیج دیں"

دس سالہ مدنی حیات میں غزوات النبی کی تعداد 27 اور سرایا کی تعداد 47 ہے

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اعلائے کلمۃ اللہ، حمایتِ مستضعفین، قطع فسادات، نابودیِ ضلالت اور انفجارِ ہدایت کے لیے باذنِ الٰہی کفار و مشرکین کے خلاف جہاد فرمایا۔ یہ قرآنِ کریم اور کتبِ سیرت و روایت کا ایک جامع موضوع ہے۔ ان سے ہی ہم کو انکے مقاصد و اہداف کا پتہ چلتا ہے۔

جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

"وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ"

"اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے جبتک دین (یعنی زندگی اور بندگی کا نظام) الٰہی نظام نہ ہو جائے۔"

مطالعہ غزوات کی اہمیت اور عصری تقاضے:

غزوات سے رہنمائی کی عصری ضرورت و اہمیت کو محسوس کرنا بے حد ضروری ہے سیرت طیبہ کے رہنما اصول آج کے ماڈرن سائنسی زمانے میں بھی اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح ۱۴۰۰ سال قبل تھے۔ ابتدا اسلام سے آج تک اور انقلاب اسلامی کے وقوع پذیر ہونے اور نظامِ الٰہی کے نفاذ کے بعد سے خصوصیت کے ساتھ ہر طرف سے اسلام مخالف قوتیں امت و اسلام ناب محمدی کو سیاسی، معاشی، سماجی، دفاعی سطح پر پیچھے دھکیلنے اور روحانی و نظریاتی طور پر کمزور کرنے کیلئے کمر بستہ ہیں اور دوسری طرف ملت پاکستان اور باقی دنیا میں امتِ مسلمہ کی حالت اور بے شعوری اپنی انتہا پر ہے۔ تعصب اور بے بصیرتیِ مومن کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامِ نابِ محمدی جسکا ابتدائی منادی یعنی علامہ محمد اقبالؒ ہماری ہی سرزمین سے مبعوث ہوا لیکن اس کے باوجود آج یہاں اور دنیا کے اکثر خطوں میں دین دینداروں کے بیچ میں اجنبی ہو کر رہ گیا ہے۔

وہ آج غریب الغربا ہے

فلسطین، برما، یمن، یا کشمیر، نائجیریا، سعودی عرب، عراق اور ہندوستان میں ہونے والا مسلمانوں کا قتلِ عام اور اکثر مسلم سرزمینوں پہ نظامِ دین کا مہجور و متروک ہونا جسکے بنا نفاذِ دین و غلبہِ دین ناممکن ہے آج ہمارے سامنے ہے، ایسی صورتحال میں شعور، اطاعت، اتحاد، ایثار، دشمن شناسی وہ ۱۵ اہم زوایے ہیں جو ہمیں غزوات میں بدرجہ اتم نظر آتے ہیں۔ آج بھی اگر شعور، اطاعت، اتحاد، ایثار،

دشمن شناسی کو اپنالیں تو کرۂ ارض پر کوئی طاقت اسلام کو کسی بھی سطح پر مغلوب کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

آج ہماری نسلوں میں مطالعہ سیرت کا فقدان شدت کے ساتھ موجود ہے سیرت طیبہ اور سیرت طیبہ کے اہم پہلو غزواتِ نبوی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) و آئمہ معصومینؑ کی دفاعی و جہادی حکمت عملی سے رہنمائی لیتے ہوئے ہم اپنے سماج میں از سرِ نو ایک نئی روح پھونک سکتے ہیں اور سماج میں نظام ولایت و امامت کے نفاذ، ظالمین و طواغیت کی برطرفی سے ایک مہدوی معاشرے کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر کر سکتے ہیں۔ لازم ہے کہ مطالعہ غزوات کا شعور عام کیا جائے اس شعبے میں جدید پہلوؤں سے علمی، عملی اور تحقیقی و تنقیدی کام کی سخت ضرورت ہے۔

چند اہم چیزیں جو مطالعہ ٔغزوات کے تناظر میں عمیق نظری و دقیق رسی کی طلب گار ہیں کا تذکرہ ذیل میں کیا گیا ہے:

1. جہادی و دفاعی شعبے کے اصول و سنن الہیہ جن پہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور آئمہ معصومینؑ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں عمل کیا۔
2. مغازی الرسول اور آئمہ معصومینؑ کی جہادی و دفاعی و سیاسی جدوجہد کی تفاصیل کو عام جوانوں تک آسان زبان میں پہنچانا تاکہ وہ جہاں ایک جانب محمد و آل محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو اسوہ ورول ماڈل کے طور پر قبول کریں، دوسرا ان کے سامنے علمی اقدامات کے لیے واضح و روشن اصول و ہدایات موجود ہوں۔

3. مادی و تہذیبی میعارات کی جگہ الہیٰ میعارات اور الہیٰ و توحیدی جہاں بینی کا فروغ اور اسکے نتیجے میں الہٰی و قرآنی جہاں بانی کے اصولوں کو سیرت کے ان ابوابِ متروکہ سے کشید کر کے سماجی تفکر کو الہٰی رنگ سے رنگا جاسکے۔

حضرت علامہ اقبالؒ:

ہر کہ عشق مصطفی سامان اوست

بحر و بر در گوشۂ دامان اوست [9]

جس کے پاس عشق مصطفی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا سامان ہے، سب بحر و بر اس کے دامن و دسترس میں ہیں۔

مطالعہ غزوات اس لئے بھی ضروری طواغیت اور کم وسائل و زیادہ مسائل کے روبرو انہیں کوئی خوف و دقت محسوس نہ ہو اور لاقامۃ الدین ان کے اندر جذبہ ایثار پیدا ہو اور وہ ان تمام نو سربازوں سے روشناس ہوں جو ظنی تخمینوں کو دینِ خدا و سیرت محمد و آل محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔

پیامبر اعظم(ص)جب تک مکہ میں تھے ایک الہی پیشوا کی حیثیت سے تھے اور ان کی فعالیت لوگوں کی ہدایت، مشرکوں اور کافروں سے فکری اور عقیدتی جنگ تک تھی۔ مدینہ میں قیام کے دوران ، تبلیغ دین اور مذہبی قیادت کے علاوہ مسلمانوں کی سیاسی قیادت بھی آپ(ص)کے دوش مبارک پر تھی۔ مدینہ میں حالات نے نیا رخ موڑا آپ(ص)نے مدینہ میں اسلامی تعلیمات کی بنا پر نئے معاشرہ کی بنیاد رکھی۔ خطروں اور آنے والی مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک باخبر، موزوں اور دوراندیش رہبر کی حیثیت سے انکے سدباب

کے لیے چارہ جوئی کی۔ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان اخوت وبھائی چارہ، عمومی پیمان نامہ اور یہودیوں کے ساتھ صلح نامہ،ان اقدامات میں سے چند نمونہ ہیں۔

اذن جہاد کی آیات کے نزول کے بعد پیامبر (ص) نے دفاعی فوج کی تشکیل کا ارادہ کیا۔ پیامبر (ص) اور مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ ہجرت کی وجہ سے اب چونکہ مشرکین مکہ مسلمانوں کو آزرواذیتیں نہیں دے سکتے تھے اس لیے مشرکین کا ریاست مدینہ پر حملہ کر سکتے تھے لہذا فوج کی تشکیل کے بعد حکومتی دستے مدینہ کے اطراف میں حفاظت کے کیے مامور ہوتے تھے۔ اسلام ناب محمّدی (ص) میں افواج کی تشکیل اور جہاد تشدد کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا ہدف معاشرے میں امن و صلح ہے ،وہ صلح کہ یکتا پرستی کے قوانین کی پیروی کے ساتھ ہو۔پیامبر اکرم کا ہدف آسودگی عامہ،توحیدی معاشرہ کی ترویج،اور مساوات اسلامی اور صفحہ ہستی کو شرک سے پاک کرنا اوردائرہ اسلام کو وسیع کرنا تھا۔[5]

---

[5] تاریخ و مقررات جنگ در اسلام

مغازی الرسول ﷺ کے چند اہم شعبہ جات کا ایک جائزہ

مشورت اور شوری

معاشرہ میں مشورہ کا موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔خداوندمتعال نے اپنے حبیب کو مشورہ کا حکم دیا اور فرمایا

(فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ)

پس ان کو بخش دواور ان کے لیے بخشش طلب کرواور کاموں میں ان سے مشورہ کرو مگر جب فیصلہ کرو تو اس پر قائم رہو اور خدا پر توکل کرو کیونکہ خدا توکل کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔خداوند ایک اور آیت میں مشورہ کرنے کو نیک لوگوں کی صفات میں شمار کرتا ہے۔(وامرھم شوریٰ بینھم)

آپ (ص) قوانین سازی میں کبھی مشورہ نہیں کرتے تھے بلکہ صرف قانون جاری کرنے میں کے طریقے پر مسلمانوں سے رائے لیتے تھے۔لوگوں سے ضروری کاموں میں مشورہ کیا کرتے تھےاور شوری کی تشکیل سے ان کو اظہار رائے کا موقع دیتے ،جہاں خدا کا حتمی فیصلہ کا حکم نہ ہوتا۔دوسروں کی رائے کو سنتے اور بہترین رائے کے انتخاب کے بعد خدا پر توکل کرتے ہوئے عزم اور ارادہ کے ساتھ اس کام کو انجام دینے کے لیے اقدام کرتے۔لوگوں کی رائے کو کشادہ روئی سے سنتے تھے۔

جن میں سے چند موارد درج ذیل ہیں۔

مثال کے طور پر غزوہ احد میں پیامبر اکرم نے جنگ کے انداز کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا شہر میں رہیں اور لوگوں کا دفاع کریں یا مدینہ سے باہر جائیں اور دشمن سے جنگ کریں۔اور آخرکار آپ نے شہر سے نکلنے کو قلعہ میں رہنے اور مدینہ میں تن با تن جنگ کرنے پر ترجیح دی۔اور جنگی انداز فائنل کرنے کے بعد گھر تشریف لے گئےاور اپنی زرہ پہنی یا جیسے جب پیامبر(ص) جاسوسی نظام کی بدولت احزاب میں اسلام مخالف حرکتوں با خبر ہوئے تو فورا آپ نے ایک دفاعی کمیٹی تشکیل دی اور جنگ کی روش کے بارے میں مشورہ کیا تو سلمان فارسی کی رائےسے خندق کھودنے کو اتفاق رائے سے قبول کیا اور پیامبر نے بھی دوسروں کی مانند خندق کھودنے میں حصہ لیا۔

قلعہ خیبر کو فتح کرنے کے معاملے میں مشورہ کیا اور خیبر کی زمینوں کا جائزہ لینے کے بعد اسلام کے بہادروں میں سے ایک کہ جن کا نام (حباب بن منذر) تھا کی رائے سے اتفاق کیا اور جنگی دستوں کو باغوں کے پیچھے منتقل کیا اور خیبر کی تسخیر کے دوران ہر روز فوجی افسران اور پیامبر خدا قلعوں کی طرف آتے اور فوجوں کے درمیان گشت کرتے۔اور اسلامی سپاہ کے مشورہ سے ایک کے بعد ایک قلعہ فتح کیا۔

رومی سپاہیوں کے احتمالی حملہ کو روکنے کے لیےاسلامی لشکر جب تبوک کی سرزمین پر پہنچا تو وہاں رومی سپاہ کا نام ونشان نہیں تھا پیامبر اعظم نے اپنی فوج سے مشورہ کیا کہ دشمن کی سرزمین میں پیش قدمی کی جائے یا مدینہ واپس لوٹ جائیں۔واپس لوٹ جانے کے مشورے

پہ آپ(ص) نے فرمایا:میں شوری کی رائے کو محترم جانتاہوں اور یہیں سے مدینے واپس لوٹتے ہیں۔

جنگوں میں نظم وضبط:

پیامبر اعظم نے تمام جنگوں میں بطورسپہ سالار نظم وضبط کاخیال رکھاجیسے فوری اور صحیح فیصلے کرنا،شجاعت اورجسمانی طاقت،دوراندیشی، قوت اور طاقت کی پہچان،باہمی اعتماد اور دوستی، نئی حربوں سے فائدہ اٹھانا،جنگی اصولوں سے آشنائی اور پہچان،جیسے اہداف کو معین کرنا،غافلگیری کے اصولوں سے بہرہ مند ہونا،رازداری کے اصول پر پابند ہونا،طاقت اور توانائی پر تمرکز کرنا،اور ضروری موقع پر حملہ کے اصول سے بہرہ مند ہونا،بہت سی جنگوں اورجنگی ماموریت میں اصل اہداف کو مخفی رکھتے،یہاں تک کہ بعض موقعوں پرکسی کو ایک گروہ کی کمان دیتے اور ایک مہرشدہ خط بھی دیتے اور فرماتے مثلا دوروز بعد فلاں جگہ پہنچ کر خط کھول کر اس حکم پر عمل کرنا۔

عامۃالمسلمین کی آمادگی کاخیال:

پیامبر گرامی اسلام جب دشمن سے جنگ کے لیے آمادہ ہوتے تو تمام مسلمانوں کو جانی اور مالی امداد کی دعوت دیتے اور جنگ و جہاد کی ترغیب اوروادار کرتے۔اسی طرح مسلمانوں کو حکم دیتے تاکہ سپاہیوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کریں اور وہ لوگ جو جنگ میں شریک ہونے سے عاجز ہوتے وہ مالی مدد کرتے تاکہ سپاہیوں کی جنگی ضروریات پوری ہو سکیں۔ آنحضرت(ص)جنگ پر جانے سے پہلے لوگوں کو آمادہ کرتے اور جنگ کی اہمیت کو بیان فرماتے۔

(انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالاً وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ
)۔

خداوند نے اس آیت میں معاشرہ کے ہر فرد [جو جانی یا مالی قدرت رکھتا ہو] چاہے فقیر ہو یا غنی، جوان ہو یا بوڑھا، سواری رکھتا ہو یا نہ، کو جہاد میں شریک ہونے کو ضروری قرار دیا ہے۔

پیشگی تیاری:

واعدّوا لھم ما استطعتم من قوہ

یا ایھا النبی حرّض المومنین علی القتال

پیامبر (ص) اور آئمہ اطہارؑ کی عملی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ دشمن سے مقابلہ کرنے میں کسی بھی لمحے غافل نہیں رہتے تھے۔ اسلحہ اور نفری، سپاہیوں کی حوصلہ افزائی، دشمن پر حملہ کرنے کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب، اور ہر قسم کے جنگی حربوں کا استعمال، اور ہر چھوٹی اور بڑی خبر سے باخبر رہتے تھے۔

جنگ حنین میں پیامبر (ص) کو خبر دی گئی کہ یمن میں جدید اسلحہ ایجاد ہوا ہے تو پیامبر اسلام نے فورا بعض لوگوں کو یمن روانہ کیا تا کہ وہ اسلامی فوج کے لیے اسلحہ مہیا کریں۔[6]

[6] فروغ ابدیت 2

جہاد سے بھاگنے والوں کی نسبت رویہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفاً فَلاَ تُوَلُّوهُمُ الأَدْبَارَ ` وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلاَّ مُتَحَرِّفاً لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزاً إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاء بِغَضَبٍ مِّنَ اللّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

جنگ میں ثابت قدمی کی اہمیت کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے فرمایا:

تین ایسے عمل ہیں جنکے انجام دینے سے انسان کو کسی نیکی کا فائدہ نہیں ہوتا

شرک، والدین سے عاق ہونا اور جہاد سے فرار ہونا۔

دشمن کی معلومات جمع کرنا:

جب پیامبر (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مدینہ میں سکونت پذیر تھے تو آپ نے ایک منظم جاسوسی کا نظام قائم کر رکھا تھا

(۱) پیامبر اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے چچا عباس نے ہجرت نہیں کی بلکہ مکہ رہے اور ہمیشہ مکہ کے حالات کے بارے میں پیامبر (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو با خبر کرتے تھے اس لیے آپ قریش کے کاروان کو روکنے میں کامیاب ہوئے۔

(۲) پیامبر اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے "سبس بن جھنی" اور "عدی بن ابی الرغباء" کو اطلاعات حاصل کرنے کے لیے بدر کی طرف روانہ کیا۔

(۳)جاسوسوں نے پیامبر (ص) کو خبر دی اسلام کے خلاف لڑنے کے لیے دشمن متحدہ فوج تشکیل ہو چکی ہے اور فلاں دن مدینہ کا محاصرہ کرنا چاہتے ہیں۔پیامبر اسلام نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔

(۴)آنحضرت(ص) نےحذیفہ بن یمانہ کو ذمہ داری سونپی کہ وہ رات کے وقت جنگ میں قریش کے درمیان جا کر انکی وضیعت اور ارادہ کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

دشمن لشکر کے درمیان اختلاف ایجاد کرنا:

جنگ احزاب میں کہ جس میں مدینہ تقریبا ایک ماہ سے دشمن کے محاصرہ میں تھا ایک دن نعیم بن مسعود جو کہ نو مسلم تھا پیامبر(ص) کی خدمت میں آیا اور عرض کی:یارسول اللہ میں تازہ مسلمان ہوا ہوں اور آپ کے حکم کی بجا آوری کے لئے حاضر ہوں آنحضرت (ص) نے فرمایا:تم ہمارے درمیان ایک شخص سے زیادہ نہیں ہو لیکن اگر دشمنوں کے درمیان اختلاف ایجاد کر سکتے ہوتو کرو کیونکہ جنگوں میں چالیں چلی جاتی ہیں۔[7]

نعیم بنی قریظہ کے پاس گیااور کہااگر مجھے اپناخیر خواہ سمجھتے ہوتو جان لو کہ قریش اورغطفان تم جیسے نہیں ہیں یہاں تمہارا شہر اور سرزمین ہے اورتم نے ہمیشہ یہیں رہناہے لیکن قریش اورغطفان دوردراز سے آئے ہیں اگر کامیاب ہوگئے تومالِ غنیمت لے کے چلے جائیں گے اوراگر صورت حال الٹ جائے اور شکست کھاجائیں تواپنے شہروں کولوٹ جائیں گے مگر تم ہمیشہ محمد(ص) کے سامنے ہو اور ان کے ماتحت زندگی گذارو گے اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکو گے اس لیے ایک تجویز ہے کہ تم ان کو کہو اطمینان کے لئے چند بزرگانِ قریش اورغطفان کو ہمارے پاس چھوڑجائو ورنہ تم محمد(ص) سے جنگ نہ کرو۔بنی قریضہ نے نعیم بن مسعود کی باتوں کو دل وجان سے سنا اور قبول کیا پھر دوسری طرف قریش کے پاس

---

[7]سلام بر خورشید، ج 3

گیااور ابوسفیان اور دوسرے سرداروں کو کہا جیسا کہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے چاہنے والا ہوں میں نے ایک خبر سنی ہے جس سے آپ کو باخبر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہودی محمد(ص) سے عہد شکنی پر پشیمان ہیں اور ہر صورت اس کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے وہ آپ میں سے بعض بزرگوں کواپنے اس تاوان کے طورپر رکھنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو محمد (ص)کی تحویل میں دے کرانہیں اپنی صداقت دکھا کرراضی کرناچاہتے ہیں اوران سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے اختتام تک مسلمانوں کی مدد کریں گے۔اس لیے تم اپنے بزرگان کو انکی تحویل میں دینے کو ہرگز قبول نہ کریں۔پھر نعیم قبیلہ غطفان کے پاس گیااور انہی باتوں کا تکرار کیااور ان کو بھی بزرگوں کوتحویل دینے سے خبردار کیا۔

نعیم بن مسعود کی خبر سے احزاب کے سپاہیوں میں بے چینی پھیل گئی بالاخر بزرگان قریش اور غطفان نے اپنے نمایندوں کو معین کیا تاکہ بنی قریظہ سے مزاکرات کریں تاکہ کل کے حملے کا آغاز کریں۔

بنی قریظہ نے ان کے جواب میں کہا کہ آج ہفتہ کا دن ہیں ہم ہفتے کو کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتے اس کے علاوہ آپ جب تک اپنے کچھ بزرگان کو ہماری تحویل نہیں دیں گے ہم جنگ کے لیے کوئی اقدام نہیں کریں گے کیونکہ ممکن ہے جنگ طولانی ہوجائے اورتم اپنے گھروں کو پلٹ جائو اور ہمیں محمد(ص) کے مقابلے میں اکیلا چھوڑ دو اس وقت ہمارے پاس ان سے مقابلے کے لیے سپاہی نہیں ہو گی –ان باتوں کی وجہ سے ان کے

درمیان عجیب دل شکستگی پیدا ہوئی ،اور یہ بات پھیل گئی جو ان کے متفرق ہونے کا سبب بنی۔[8]

نفسیاتی جنگ:

دشمن کے دل میں وحشت اور رعب پیدا کرنا جنگ کی بہترین حکمت عملی ہے۔دشمن کو نفسیاتی میدان میں شکست دینا ایک بہترین طریقہ ہے۔پیامبر اعظم(ص) دشمن کے مقابلے میں اس اہم حکمت عملی سے استفادہ کرتے تھے کیونکہ فتح مکہ دشمن کے دل میں وحشت پیدا کرنے کا نتیجہ ہے پیامبر(ص) نے مکہ فتح کرنے اور بت پرستی کے محکم قلعہ کو مٹانے اور قریش کی طاغوتی حاکمیت کو ختم کرنے کے لیے عمومی حرکت کا اعلان کیااور ۱۰۰۰۰ مجاہدین اسلام کے ساتھ مرّالظھران کے مقام پر پہنچے اور اہل مکہ کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لیے اسلامی فوجوں کو اونچی جگہ پر آگ جلانے کاحکم دیا توسب نے آگ جلائی تاکہ آگ کے شعلوں سے تمام اونچی جگہیں اور پہاڑ روشن ہو جائیں۔جب اچانک اہل مکہ متوجہ ہوئے کہ ہم محاصرہ میں آ گئے ہیں اور آگ نے بھی تمام شہر مکہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔

دوران جنگ حکمت عملی:

امام المجاہدین ﷺ نے غزوہ حکم دیا کہ حملہ نہ کریں اور تیراندازی کے ذریعے دشمن کوروکے رکھیں۔

---

[8] با نخستین حکومت اسلامی در مدینہ

جب بھی آتش جنگ شعلہ ور ہوتی صحابہ پیامبر(ص) کی پناہ میں جاتے۔
آنحضرت(ص)جنگ سے پہلے اپنے لشکر کو منظم کرتے اور تبلیغ کے ذریعے اسلامی سپاہیوں کے حوصلے بلند کرتے، انکو جنگی فنون اور حکمت عملی سکھاتے۔

سالارِ میدان(علمدار) کا تعین:

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: دشمنان خدا کے خلاف جنگ کے لیے سب سے پہلے جس نے پرچم اٹھایا وہ حضرت ابراہیم خلیل تھے ۔اور اس پرچم پر لاالہ الااللہ لکھا تھا۔

جنگی قیدی:

خداوند متعال فرماتا ہے:

فَإِذا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقابِ حَتَّى إِذا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِداء حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزارَها ذَلِكَ وَلَوْ يَشاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الأَسْرَى إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

ان مذکورہ آیات میں حکم ہے کہ امام مسلمین ان میں سے کوئی ایک کام کرے یا ان پر رحم کرکے ان کو آزاد کر دے یا ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کردے یا قیدیوں کو قتل کر

دیں۔چونکہ پیامبر(ص) کی سیرت میں ان موارد کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جنگ بدر کے بعض اسیروں کو فدیہ کے بغیر آزاد کیا گیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔
کلی طور پر پیامبر اکرم کا قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا سب کے لیے عجیب تھا کیونکہ اِنہی لوگوں نے پیامبر اکرم کو بہت اذیتیں دیں تھیں مگر پیامبر جو کہ رحمت الہی سے سراب تھے بڑی رحمدلی سے پیش آئے اور مسلمانوں کو بھی رحمدلی سے پیش آنے کی نصیحت کی۔

اقتصادیاتِ جنگ:

جنگ کی تیاری سے مراد اسلام کا دفاع ہے،اسلامی حکومت کی پشت پناہی کرنا اور اسلام کے نفاذ میں وسعت پیدا کرنا ایک اہم امر ہے۔لیکن مسلمانوں کی مالی وضعیت ایسی تھی کہ سب کے پاس جنگی سازوسامان مہیا کرنے کی رقم نہ تھی مگرصرف دولت مند جنگی اخراجات برداشت کر سکتے تھے تو اس وقت آیہ زکواۃ اور خدا کے راہ میں انفاق کرنے کی آیات نازل ہوئیں۔
قرآن کریم کی رہنمائی کے باعث بہت سی عورتوں نے اپنے زیورات ،جنگی اخراجات کے لیے پیامبر(ص) کی خدمت میں پیش کیے۔ علبہ بن زیدحارثی تقریبا تین کلوخرما لایا اور کہا: اے رسول خدا (ص) میں نخلستان میں کام کرتا ہوں مجھے دوصاع اجرت ملی ہے ایک صاع اپنے گھر والوں کے لیے رکھا ہے اور ایک کلو جنگی اخراجات کے لیے لایا ہوں۔
اسلامی فوج کا کفار سے جنگ کرنے کے لیے دوسرے اخراجات مدینہ کے یہودیوں سے ملنے والی غنیمت سے پورے ہوتے کہ اس کا جنگی اخراجات کے لیے منبع اصلی شمار ہوتا

تھا۔سپاہی اپنے حق سے استفادہ کے علاوہ،مقتول کے لباس اوراسلحہ سے اپنے آپ کو لیس کرتے۔اس کے علاوہ غزوات اور جنگوں میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا اس کوسپاہیوں میں برابر تقسیم کیا جاتا۔سواروں کوپیادہ سے تین گنا زیادہ ملتا۔پیامبر(ص) کے آخری زمانے میں اسلامی حکومت کی بیشتر درآمد،جزیہ، خمس،غنائم،زکواۃ،واجب صدقات،اور زمینوں پر خراج یا ٹیکس کی صورت میں حاصل ہوتی۔اسلامی حکومت کی درآمد اور جنگی اخراجات کا منبع مسلمانوں کے ہدیے اورانفاق تھا۔

خلاصہِ کلام

اگرچہ یہ ظاہری طور پر کسی بھی جنگ کی معمول کی سرگرمیاں ہیں، مگر دقت سے نگاہ کریں تو عمومی جنگوں اور ان میں فرق یہ ہے کہ یہ وحیِ خدا کے ماتحت مصطفی ﷺ کے ذریعے انجام پائی ہیں اور ان میں ایسے بے شمار اصول و قواعد ہیں، جن پہ اجتہادی و محققانہ نگاہ کرنے والوں کے لیے ایک خزانہِ گراں بہاموجود ہے۔ایک ایسا خزانہ جو آج بھی امت مسلمہ پہ وارد دشمنوں کے حملوں کے مقابل حل دریافت کرنے کی الہٰی چابی بن سکتا ہے۔اگرچہ ثانوی اشیا بدل جاتی ہیں مگر الہٰی اصول قائم اور ہر زمان و مکان کے لیے یکساں طور پر مفید و قابلِ عمل ہوتے ہیں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی غزوات کا مختصر احوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کئی سال تک بغیر جنگ و قتال کے اسلام کی طرف تبلیغ فرماتے رہے، مکہ میں عرب اور مدینہ میں یہودی امت مسلمہ کو شدید تکلیفیں پہنچاتے رہے۔ جب مکہ میں تھے تو اکثر آپ کے صحابہؓ آپ کے پاس اس طرح آتے کہ شدید زخمی و مجروح ہوتے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کو دیکھ کر فرماتے صبر و برداشت کا مظاہرہ کرو۔

اللہ تعالی نے ہجرت کے دوسرے سال ماہ صفر میں مشرکوں سے جنگ کرنے کی مسلمانوں کو اجازت عطا فرمادی کہ وہ دشمنان دین جو جو مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پہل کریں ان سے جنگ کریں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سب سے زیادہ بہادر تھے!

جدولِ غزوات الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

شمار	نام	تاریخ	مقام	شمار	نام	تاریخ	مقام
1	غزوہ ابواء	2ہجری	ودان	15	غزوہ بدرالصغری	4 ہجری	بدر
2	غزوہ بواط	2ہجری	بواط	16	غزوہ دومۃ الجندل	5 ہجری	دومۃ الجندل
3	غزوہ ذی العشیرہ	2ہجری	العشیرۃ	17	غزوہ بنی المصطلق	5 ہجری	المریسیع

4	غزوہ بدر اولی	2ہجری	وادی سفوان	18	غزوہ خندق	5 ہجری	مدینہ منورہ
5	غزوۂ بدر الکبری	17رمضان 2 ھ	بدر	19	غزوہ بنی قریظہ	5 ہجری	اطراف مدینہ
6	غزوہ بنی سلیم	2ہجری	قرقرۃ الکدر	20	غزوہ بنی لحیان	6 ہجری	غران
7	غزوہ بنی قینقاع	2ہجری	مدینہ منورہ	21	غزوہ ذی قرد	6 ہجری	ذو قرد
8	غزوہ سویق	2ہجری	قرقرۃ الکدر	22	غزوہ حدیبیہ	6 ہجری	حدیبیہ
9	غزوہ ذی امر	3ہجری	ذوامر	23	غزوہ خیبر	7 ہجری	خیبر
10	غزوہ بحران	3ہجری	بحران	24	غزوہ عمرۃ القضا	7 ہجری	مکہ مکرمہ

11	غزوہ احد	3ہجری	جبل احد	25	غزوہ موتہ	8 ہجری	موتہ
12	غزوہ حمراء الاسد	3ہجری	حمراء الاسد	26	فتح مکہ	8 ہجری	مکہ مکرمہ
13	غزوہ بنی نضیر	4ہجری	اطراف مدینہ منورہ	27	غزوہ حنین	8 ہجری	وادی حنین
14	غزوہ ذات الرقاع	4ہجری	ذات الرقاع	28	غزوہ طائف	8 ہجری	طائف
29	غزوہ تبوک	9ہجری	تبوک				

حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی امت کیلئے نظام حیات لائے جسکو الدین عند الاسلام کا عنوان دیا گیا اور اسکو ریاستِ مدینہ میں بہ عنوان نظام امامت وولایت نافذ فرمایا۔ دفاعِ اسلام، دفاعِ نظام، دفاعِ مومنین، دفاعِ مقدسات اسلام ناب محمدی کی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہیں اور ان پہ سب سے بہترین عملی نمونہ عمل اسوۂ حسنۂ نبوی ہی ہے۔

شعبہ سراغ رسانی:

غزوات نبوی میں ایک اہم شعبہ سراغ رسانی اور جاسوسی کا شعبہ ہے، جو کہ غلبۂ دین وتحفظِ امت کے لیے لازم حیثیت رکھتا ہے۔ سیرتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) و سیرت آئمہ اہل بیتؑ میں یہ نمایاں طور پر موجود اور موثر رہا ہے۔ سیرت طیبہ کے دقیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اپنی بے حد مصروفیات کے باوجود جاسوسی کے نظام پہ مکمل نگاہ رکھی۔ البتہ سیرت نگاروں نے اس پہلو پر بہت کم توجہ دی ہے۔ شاید ہی کوئی موقعہ ہو کہ اہل مکہ یا کسی دوسرے قبیلہ نے مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے پیش قدمی کی ہو اور اس کی اطلاع پہلے ہی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تک نہ پہنچ گئی ہو، مدینہ کے قیام کے نو سالہ عرصہ میں صرف دومرتبہ دشمن نے اطراف مدینہ کے باغات اور جانوروں کو نقصان پہنچایا اور بھاگ گئے، اکثر ایسا ہوتا کہ دشمن راستہ میں ہوتا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) دوران راہ ہی وہاں پہنچ کر مدینہ پر ان کے حملہ کے منصوبہ کو تہس نہس کر دیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے غزوات ہی سیرت نبوی پر مکمل روشنی ڈالنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نو سال کے عرصہ میں ۲۹

غزوات کے دوران کم از کم ۱۳۱۷ دن مدینہ سے باہر گذارے، یہ عرصہ مدنی حیات کا ۵واں حصہ بنتا ہے۔

* اسلامی لشکر کے لئے تربیت کا اہتمام
* اسلامی لشکر کے جاسوسوں کی تربیت کا اہتمام
* اسلامی لشکر کے لیے سازوسامان کی فراہمی
* مہم پہ مامور اشخاص یا لشکر کے لیے وسائل حمل و نقل کی فراہمی
* مہم کے دوران لشکر کی خوراک کا انتظام
* میدانِ مبارزہ میں جنگی حکمت عملی
* راستے کی صورتحال سے آگاہی
* ہنگامی صورتحال کے لیے لائحۂ عمل کی ترتیب
* راستوں کی جغرافیائی مشکلات، موسم کی مشکلات اور اس سے نبرد آزما ہونے کی حکمت عملی
* حکومتی اہل کاروں کی نگاہوں سے محفوظ رہ کر مومنین تک پیغام رسانی
* مومنین میں سے قابل اعتماد افراد کا چناو اور انکی تربیت
* امامؑ کی قیام گاہ سے تمام اسلامی سرزمینوں تک پیغام رسانی کا قابل اعتماد نظام
* حکومتی سازشوں سے آگاہی کا نظام
* حکومتی اور منافقین کی سازشی منصوبوں کو ناکام بنانے کی حکمت عملی
* نظر بندی و گوشہ نشینی کی حکمت عملی کے اندر پنہاں طور پر طاغوت کے اقتدار کو مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں الٹنے اور نظام خدا برپا کرنے کی حکمت عملی

یہ سب باتیں جو کہ ایک انقلابی مکتب فکر کے لیے اساسی اہمیت کی حامل ہیں، انکا جواب سیرتِ رسول وسیرت معصومین (علیہم الصلوٰۃ والسلام) میں سے بابِ مغازی وبابِ روشِ جہاد وسیاست سے ہی سے مل سکتا ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے غزوات کا مقصد انسانیت کو بے شمار زنجیروں سے نجات دلانا اور انسانی معاشرہ میں عدل وانصاف قائم کرنا، امیر وغریب، حاکم ومحکوم، سیاہ وسفید، بالا دست اور زیر دست سب کے لئے ایک قانون قائم کرنا تھا، اسکے لئے آپ نے اسلامی ریاست اور مومنین کے طبقات میں انضباط پیدا کیا۔

ہجرت کے بعد مدینہ کی زندگی کے ابتدائی ایام انتہائی مصروف اور خطرناک تھے، سارے ہی عربوں نے مدینہ میں قائم اسلام کی ابتدائی ریاست کو اپنے نشانے پر رکھ لیا تھا، ہر طرف سے ان کو جنگ پر مجبور کرنے لگے، مسلسل کئی کئی دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور صحابہؓ کو دن رات ہتھیار بند رہنا پڑتا تھا، رات کو بھی ہتھیار لگا کر سوتے اور صبح کو ہتھیار لگا کر جاگتے۔ انہی حالات میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین منقبلھم ولیمکننلھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا نور: 55

ترجمہ: تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالی وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان لوگوں سے پہلے نیک لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دین کو

اللہ تعالی نے ان کے لئے پسند کیا ہے یعنی اسلام کو ان کے لئے قوت کا سبب بنائے گا۔ اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

اقسامِ کفار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دور میں دو طرح کے کفار تھے، اور قیامت تک ہر دور میں رہیں گے۔ (۱) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہر وقت لڑائی کرتے رہتے اور آپ کو تکلیفیں پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ (۲) جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے خلاف نہ جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کریں گے، یہ لوگ اپنے اس عہد کے باوجود کفر ہی پر تھے جن سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معاہدہ فرمایا تھا۔ آپ مکہ سے ہجرت فرما کر ربیع الاول ہی کے مہینہ میں مدینہ تشریف لائے تھے، ربیع الاول سے دوسرے سال صفر کے مہینے تک آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اندرونی انتظامات فرماتے رہے، ہجرت کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لڑائی کی اجازت ملی۔

تاریخ کے دریچے سے

(۱)غزوہ ودان یا غزوہ ابواء:

آپ(ص) نے قریش کی اقتصادی قوت توڑنے کے لیے انکے تجارتی قافلے کو پکڑنے اور قبیلہ بنو ضمرہ بن بکر کنانی کی سرکوبی کے لئے مدینہ سے ابواء کی جانب عزیمت کی۔ رسول اللہ(ص) ودان میں پہنچے تو قریش کا قافلہ جا چکا تھا اور ان کے حلیف قبیلے بنو ضمرہ کے افراد رسول خدا(ص) کے ساتھ صلح و آشتی کے لئے آپ(ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی طرف سے مخشی بن عمرو ضمری نے معاہدہ صلح پر دستخط کئے جو اس زمانے میں بنو ضمرہ کا سردار تھا۔اس مہم کے دوران رسول خدا(ص) ۱۵ دنوں تک مدینہ سے دور رہے۔

(۲)غزوہ بواط:

یہ غزوہ ہجرت مدینہ کے ایک سال بعد ربیع الاول سنہ 2 ہجری میں انجام پایا۔رسول خدا(ص) 200 افراد کو لے کر قافلۂ قریش کا راستہ روکنے کی غرض سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔یہ وہ زمانہ تھا جب شہر مدینہ کو ان کی طرف سے جارحیت کا خطرہ لاحق تھا۔اہل مکہ نے مدینہ پر حملہ کیلئے امیہ بن خلف کو ۱۰۰ سواروں کے ساتھ روانہ کیا جس نے ساحلی علاقہ کے چھوٹے قبائل پر حملہ کر کے ان کے ۱۰۰۰ اونٹ چھین لئے اور گذشتہ دو موقعوں کی خفت کا ازالہ کی کوشش کر رہے تھے۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) لشکر کفار کو زیادتی سے باز رکھنے اور اتحادی قبائل کی مدد کیلئے ۶۰ مجاہدین کے ساتھ نکل پڑے۔ قریشی قافلے میں 100 افراد شامل تھے۔تجارتی قافلہ 2500 اونٹوں پر مشتمل تھا۔آپ(ص) نے ارض بواط کے

مرکزی حصوں تک کا راستہ طے کیا۔لیکن قریش کا قافلہ ان کی دسترس سے خارج ہوچکا تھا؛ چنانچہ آپ(ص) وہیں سے مدینہ پلٹ آئے۔

(۳)غزوہ عشیرہ:

غزوہ بواط کے بعد ۱۵ جمادی الاول کو ایک خبر مدینہ پہنچی کہ قریش کا ایک بڑا تجارتی قافلہ ابو سفیان بن حرب کی سرکردگی میں مکہ سے شام جارہا ہے۔رسول خدا(ص) نے ابو سلمہ بن عبدالاسد کو مدینہ میں جانشین قرار دیا اور مہاجرین میں سے ۲۰۰ افراد کا لشکر لے کر قریشی قافلے ینبع کے علاقے میں "ذوالعشیرہ" تک تعاقب کیا اور کئی دن تک وہیں قیام کیا لیکن انہیں کوئی قافلہ نظر نہیں آیا کیونکہ وہ چند روز قبل وہاں سے گذر چکا تھا۔ اس غزوہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے جو راستہ اختیار فرمایا وہ بہت کم استعمال ہوا کرتا تھا، یہ مقام وادیِ ینبوع میں ساحل سمندر پر واقع ہے

(۴)غزوۂ بدر اولیٰ:

ریاست نبوی کے اتحادی قبائل اور ریاست نبوی پہ تیز چھاپہ مار کاروائیوں کے لیے کرز ابن جابر الفہری کو چھوٹا سا دستہ دیا گیا وہ غیر معروف راستوں سے ہوتا ہوا رات کے وقت مدینہ کی چراگاہوں تک پہنچا اور مدینہ کے کچھ اونٹ ہانک کر لے گیا۔ جیسے ہی اس چھاپہ کی اطلاع ملی آپ نے فوراً ایک لشکر کو ترتیب دے کر صفوان نامی وادی تک اس کا پیچھا کیا۔ اہل مکہ نے ریاست مدینہ کے خلاف کوششیں جاری رکھیں۔

(۵)غزوۂ بدر کبریٰ:

رمضان ۲ ہجری میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو یہ خبر ملی کہ ابو سفیان قریش کے تجارتی قافلہ کو ملک شام سے واپس لا رہا ہے جو مال واسباب سے بھرا ہوا ہے آپ نے مسلمانوں کو جمع کیا اس قافلہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا تا کہ کفار پہ ایک رعب قائم ہو سکے، یہاں با قاعدہ کوئی جنگی منصوبہ بندی نہیں تھی۔ جب ابو سفیان کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے لشکر کی روانگی کی خبر ملی تو اس نے ضمضم غفاری کو مکہ روانہ کیا اور قریش سے کہا کہ وہ اپنے مال کی حفاظت کیلئے فوراً نکلیں۔17 رمضان المبارک ۲ ہجری جمعہ کے دن غزوۂ بدر پیش آیا جو مدینہ منورہ سے 92 میل اور مکہ سے 160 میل کے قریب ہے۔اس سال رمضان المبارک کے روزے بھی فرض ہوئے تھے ،اسلامی لشکر تربیت کے لحاظ سے اچھی تیاری میں تھامہاجر صحابہ چند سرایہ پر جا چکے تھے اسلئے ان کی فنی تربیت اور جسمانی تندرستی زبردست تھی۔انصار صحابہ بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے۔لشکر کے ہر فرد نے تین چوتھائی راستہ پیدل طے کیا۔پچیس تیس میل روزانہ سفر طے کرتے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ 313 صحابہ 2 گھوڑے اور 70 اونٹ تھے۔جب ضمضم غفاری مکہ پہنچا تو اس خبر سے مکہ میں ہلچل مچ گئی اور ۱۰۰۰ آدمی پوری تیاری کے ساتھ نکلے ،ادھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو بھی مکہ والوں کی روانگی کی اطلاع ملی آپ نے مہاجرین وانصار کو مشورہ کیلئے جمع کیا،۔اس جنگ میں 70 کافر مارے گئے اور 70 قید ہوئے۔اسی غزوہ میں اللہ نے پہلے ایک ہزار پھر پانچ ہزار فرشتے مجاہدین اسلام کی مدد کے لیے میدانِ بدر میں نازل فرمائے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو

اتر سکتے ہیں قطار اندر قطار اب بھی

،بدر سے واپسی کی پہلی شوال کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے عید کی نماز ادا فرمائی، یہ پہلی عید الفطر تھی اور اس غزوہ میں 14 مسلمان شہید ہوئے۔

(٦)غزوہ بنی سلیم:

تیسری ہجری یا ایک نقل کے مطابق دوسری ہجری کو کُدر کے علاقے میں واقع ہوئی۔اس جنگ میں بنی سلیم اور بنی غَطفان قبیلے کے لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کُدر کے علاقے میں جمع ہوئے لیکن اسلامی لشکر پہنچنے پر وہاں سے چلے گئے۔اس غزوہ میں اسلامی فوج کے سالار امام علیؑ تھے اور بہت سارا مال غنیمت بھی مسلمانوں کو مل گیا۔

(٧)غزوہ بنو قینقاع:

جن دنوں لشکر اسلام بدر کے غزوہ میں مصروف تھا مدینہ کے یہودیوں نے اپنی خباثت کا ثبوت دیا انہیں خیال تھا کہ مکہ کا لشکر بہت بڑا ہے اسلئے وہ کامیاب رہے گا۔انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی غیر حاضری میں عین بدر کے وقت کوچہ اور بازار میں تنہا عورتوں کو چھیڑنا شروع کر دیا حتیٰ کہ ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت پر دست درازی بھی کی جس سے مسلمانوں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا اس واقعہ سے مسلمانوں اور یہودیوں میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔
یہودیوں سے معاہدہ کی خلاف ورزی کا جواب طلب کیا مگر بنو قینقاع نے نہایت گستاخانہ جواب دیا اور کہا کہ مکہ والوں پر فتح پا کر مسلمان مغرور ہو گے ہیں اور معاہدے کی تحریر چاک کر کے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے سامنے پھینک دی۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے انکے خلاف فوری کارروائی کا حکم دیا چنانچہ ان کا گھیراؤ ہو گیا۔۱۵ دن کے گھیراؤ کے بعد مجبور ہو کر انہوں

نے صلح کی درخواست کی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اس شرط پر صلح کی کہ بنو قینقاع مدینہ چھوڑ کر نکل جائیں گے اور تمام اسلحہ اورآلات زراعت مسلمانوں کے حوالہ کر دیں گے اس شرط پر گھیراؤ اٹھالیا گیااور بنو قینقاع مدینہ سے نکل کر خیبر چلے گئے۔

(۸)غزوہ سویق:

جنگ بدر کے بعد ابو سفیان نے مکہ آکر اپنی رشیہ دوانیوں کا آغاز کر دیااور اعلان کر دیا کہ جب تک میں اپنے بھائیوں کا بدلہ نہیں لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا اور سر پر پانی نہیں ڈالوں گا اس قسم کو پورا کرنے کیلئے وہ ۲۰۰ سوار لے کر مسلمانوں کے علاقہ میں لوٹ مار کرنے کیلئے روانہ ہوا۔ اس نے معمول کے خلاف نجد کا راستہ اپنایااور مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈالا اور رات کے وقت چھپ کر مدینہ پہنچا اور دو قبائل کے سردار سے ملا حالات معلوم کر کے اپنے پڑاؤ پر واپس آگیا۔ اسکے بعد اس نے کئی قبائل کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف ورغلانے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی دوسرے دن اس نے اپنے کچھ آدمیوں کو مدینہ کی طرف روانہ کیا انہوں نے مدینہ سے تقریبا تین میل کے فاصلہ پر دو مسلمانوں کو جو کھیتی کر رہے تھے قتل کر دیااوران کے کھجوروں کے باغ کو آگ لگا کر آئے مگر ابو سفیان بھاگ گیا اور ستو کے تھیلے وہیں چھوڑ گیا اسی لئے اس غزوہ کو ''سویق'' کہتے ہیں۔

(۹)غزوہ ذی امر:

نجد کے غطفان کے قبائل "بنو ثعلبہ" اور "بنو محارب" کی ایک مشترکہ جماعت اکٹھی ہوئی اور اس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے، مدینہ کو غارت کرنے اور غنیمت حاصل کرنے کرنے کا منصوبہ بنایا ہے؛ اور اس گروہ کا سالار دعثور بن حارث محاربی ہے۔[9] رسول اللہ(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو خبر ملتے ہی ان پر ۴۵۰ مجاہدین کے ساتھ اچانک ان پر حملہ کیا تا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ پہ اسلام کی طاقت کی دھاک بیٹھ جائے اور وہ اپنے شیطانی منصوبوں پہ عمل کرنے سے باز آجائیں ،ناگہانی حملہ سے وہ اتنے بدحواس اور پریشان ہوئے کہ اپنا علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مدینہ سے نجد جانے والے راستے میں ذوالقصہ کی طرف بڑھے۔راستے میں مسلمانوں کو ایک مرد نظر آیا جس کا تعلق بنو ثعلبہ سے تھا اور مدینہ جارہا تھا۔اس نے مسلمانوں کے پوچھنے پر کہا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ دعثور بن حارث نامی شخص اپنے قبیلے کے افراد کے ہمراہ اپنا علاقہ چھوڑ کر نکلا ہے"۔اس شخص کو پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپ(ص) نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور اس نے اسلام قبول کیا اور کہا کہ "ہمارے قبائل کے لوگ آپ کے سامنے آ کر نہیں لڑیں گے اور آپ کے آنے کی خبر پاکر پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف چلے جائیں گے؛ میں آپ کے ساتھ آتا ہوں اور خفیہ داخلی راستوں اور ان کے کمزور نقاط سے آپ کو خبر دوں گا۔رسول اللہ(ص) نے اسے بلال حبشی کے سپرد کیا۔اس شخص نے ریت کے ٹیلے سے گذرنے والا ایک راستہ دکھایا جس سے گذر کر لشکر اسلام

---

[9] قمی، شیخ عباس، منتہی الآمال، ب-اب اوّل در تاریخ خاتم الانبیاء

غطفانیوں کے قریب پہنچ گئے اور دوسری طرف سے غطفانی پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگے۔[10]

میڈیا کے ذریعے ایک اور جنگ:

اہل مکہ نے یہودیوں کے مشورہ سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف شاعروں کے ذریعہ پراپگنڈہ شروع کر دیا اور کسی طرح رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو قتل کرا دیا جائے اس کے لئے قریش نے قابل شعرا کی خدمات بالمعاوضہ حاصل کیں تاکہ شعر کی تاثیر سے لوگوں کے جذبات رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف ابھاریں۔ ان کافر شعرا میں کعب ابن اشرف قابل ذکر ہے یہ مدینہ کے قریب رہتا تھا اس کو مکہ بلایا گیا، اس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر تہمتیں اور گالی گلوج اشعار میں کرنا شروع کیا۔ جب یہ خبر مسلمانوں تک پہنچی تو محمد ابن مسلمہ نے اس کے قتل کرنے کی اجازت طلب کی، توہینِ رسالت کے اس مجرم کے لیے موت کی سزا کی اجازت طلبی پہ وحی الٰہی کے تابع ذات اقدسِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اجازت دے دی۔ محمد ابن مسلمہ اور ابونائلہ ایک رات اس سے ملنے گئے ابونائلہ کی آواز سن کر کعب باہر آیا کیونکہ ابونائلہ خود بھی ایک شاعر تھے۔ جہاں محمد ابن مسلمہ اور دوسرے صحابہ انتظار میں تھے، اسکو وہیں واصل جہنم کر دیا گیا۔

ایک یہودی ابورافع تھا جو چرب زبان ہونے کے علاوہ مال دار بھی تھا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف نفرت پھیلانے وہ لوگوں کو رات کے وقت اپنے قلعہ میں جمع کرتا اور من گھڑت

---

10 واقدی، المغازي،

قصہ کہانیاں سنا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف ورغلا تا اس کا خاتمہ کرنے کیلئے انصار میں سے عبد اللہ ابن عقبہ اوران کے ساتھیوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے اجازت مانگی اور اس کے گھر جا کر اسے قتل کر دیا۔

سلام ابن ابی الحقیق نامی گستاخ کے قتل کی اجازت خزرج قبیلہ کے انصاری مجاہدین نے مانگی اور اس کا بھی خوش اسلوبی سے کام تمام کر دیا۔ اس طرح قریش کا یہ منصوبہ اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے والے ختم کر دئے گئے ایسی کارروائی کو آج Fifth Column کہا جاتا ہے۔

(۱۰)غزوۂ احد :

مکہ میں ۲۵۰۰۰۰ درہم کا فنڈ نئی جنگ کی تیاری کیلئے جمع کیا گیا اور تقریباً اتنی ہی رقم سے بدر کے قیدیوں کو چھڑایا گیا، مکہ میں سردارانِ قریش نے اپنے نمائندوں کو سارے عرب میں بھیج کر انہیں بھی مدینہ پر حملہ کرنے کی دعوت دی اس طرح ایک سال میں ۳۰۰۰ ہزار کا لشکر تیار کیا۔ خود اہل مکہ نے اس سے پہلے اتنا بڑا لشکر نہیں دیکھا تھا قریش نے اپنے غلاموں کو بھی یہ لالچ دے کر فوج میں شامل کر لیا کہ جو بہادری سے لڑے گے اسے آزاد کر دیا جائے گا انہیں غلاموں میں وحشی غلامِ ہندہ بھی تھا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خفیہ جاسوس آپ کو برابر کفار کی تیاریوں کی خبریں پہنچا رہے تھے مسلمانوں کی حالت بھی بہتر ہو چکی تھی۔ جب مدینہ میں آپ کو یہ خبر ملی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے مشورہ کیا، آپ اندر تشریف لے گئے اور مسلح ہو کر نکلے، اور فرمایا جب نبی ذرہ پہن لے تو جائز نہیں کہ مقابلہ کے بغیر ہتھیار اتارے۔ ۱۰۰۰ صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے درمیان میں ابن ابئ منافق ۳۰۰ منافقوں کے ساتھ جدا ہو گیا۔ آپ احد پہنچے اور کوہ

کو پشت کی جانب کیا اور حکم دیا کہ جب تک حکم نہ ہو قتال نہ شروع کیا جائے آپ کے ساتھ ۷۰۰ مجاہدین اور ۵۰ گھڑ سوار تھے۔

۵۰ تیر اندازوں کو ایک جگہ مقرر فرمادیا اور تاکید فرمائی کہ کسی بھی حال میں یہاں سے نہ ہٹیں، دوسرا انتظام آپ نے یہ کیا کہ کم عمر نوجوانوں کو جنگ میں شرکت سے منع فرمادیا سمرہ اور رافع بہت اچھے تیر انداز تھے اور ان کی عمر پندرہ سال تھی اسلئے ان کو اجازت دے دی۔

اسکے بالمقابل قریش کے آدمیوں میں ۲۰۰ گھڑ سوار اور ۳۰۰۰ افراد تھے جنگ شروع ہوئی دن کے اول وقت مسلمانوں کی فتح ہوئی کفار پسپا ہو کر اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں ان کی عورتیں تھیں ۵۰ تیر انداز جو پشت کی طرف تھے "الغنیمۃ الغنیمۃ" کہہ کر چلے آئے اور مرکز کو چھوڑ دیا امیر نے روکا لیکن وہ نہ رکے قریش کے سوار وہاں سے آگئے اور ہر طرف سے احاطہ کر لیا ۷۰ مسلمان شہید ہوگئے آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا داہنی طرف نیچے کا موصلہ ٹوٹ گیا خود سر میں بیٹھ گیا کفار نے پتھر برسائے جس سے پہلو پر چوٹ آئی آپ ایک گڑھے میں گر گئے ابو دجانہ اپنی پیٹ کو ڈھال بنا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے سامنے کھڑے ہوگئے تیر برابر ان کو لگتے گئے لیکن انہوں نے حرکت نہ کی۔ حضرت حمزہ بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے وحشی نے چھپ کر نیزہ پھینکا جس سے آپ شہید ہوگئے۔ مسلمان پریشان ہوگئے اضطراب کا عالم تھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ایک طرف سے تشریف لائے صحابہ وہاں جمع ہوگئے انصار نے عرض کیا یہود ہمارے حلیف ہیں ارشاد ہو تو مدد طلب کریں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے فرمایا ضرورت نہیں۔ آپ نے حضرت حمزہ کی لاش دیکھا تو بڑا صدمہ ہوا تمام شہدا کی نماز جنازہ پڑھ کر وہیں ایک ایک قبر میں دو دو تین تین کو دفن کر دیا گیا، یہ دن بڑی مصیبت کا تھا اس میں صادق الایمان اور منافق اچھی طرح

پہچانے گئے اوراس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی ایک چھوٹی بات نہ ماننے کی وجہ سے کیا کیا مصائب پیش آئے۔

(۱۱)غزوہ حمراء الأسد:

اس جنگ سے رسول اللہ(ص) کا ہدف و مقصود مشرکین کو دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے سے باز رکھنا تھا۔ 8 شوال سنہ 3 ہجری کو غزوہ احد کے صرف ایک دن بعد، مدینہ سے 8 یا 10 میل (تقریبا 20 کلومیٹر) جنوب کی طرف، بمقام حمراء الاسد انجام پایا۔[11] پیغمبر(ص) نے بنو اسلم کے تین افراد کو اپنی سپاہ کے ہراول دستے کے طور پر دشمن کے تعاقب میں روانہ کیا۔ یہ افراد منطقۂ حمراء الاسد میں دشمن کے لشکر کے قریب پہنچے لیکن ان میں سے دو افراد کو مشرکین نے شہید کیا۔ مشرکین اس علاقے میں اپنے اجتماع کے دوران ایک بار مدینہ پر چڑھائی کے لئے صلاح مشورے کررہے تھے؛ تاہم صفوان بن امیہ نے انہیں مسلمانوں کے غیظ و غضب اور انتقام سے متنبہ کیا اور خبردار کیا کہ اس بار وہ شکست بھی کھا سکتے ہیں۔ رسول اللہ(ص) 5 روز بعد، طبری کے مطابق 3 روز بعد دو روز بعد مدینہ واپس آئے۔[12]

---

[11] طبرسی، مجمع البیان

[12] ابن سعد، طبقات

(۱۲)غزوۂ بنو نضیر:

غزوہ احد کے بعد ایک سازش تیار کی گی اور آپ پر ایک بڑا پتھر گرا کر آپکو شہید کرنے کی منصوبہ بندی کی گی، اسکی ذمہ داری عمرو ابن جحش نے لی، دوسری جانب وحی الٰہی سے آپ کو مطلع کر دیا گیا جس پہ رسول اللہ وہاں سے اس طرح سے نکل کر آئے کہ انکا منصوبہ ناکام ہو گیا، اس حرکتِ مضمومہ پہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ان کو ۱۰ روز کی مہلت دی، انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جائیں گے۔ مہلت کے اختتام پہ مسلمانوں نے جب بنو نضیر کا محاصرہ کیا بعد میں یہ علاقہ خالی کروالیا گیا۔

(۱۲)غزوۂ ذات الرقاع :

یہ جمادی الاول کی ۴ ھ کو رونما ہوا اس میں آپ کے ساتھ ۴۰۰ یا ۷۰۰ مجاہدین تھے۔ بنی غطفان کی ایک بڑی جمعیت مقابلہ کو آئی مگر جنگ نہیں ہوئی ۔ اس غزوہ میں ایک ایک اونٹ پر چھ چھ آدمی باری باری سوار ہوتے تھے جس کی وجہ سے پیر پھٹ گئے انہوں نے پیروں پر چمڑے باندھ لئے اسلئے اس کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ رسول خدا(ص) کو خبر ملی کہ قبیلۂ غطفان کے دو ذیلی قبیلوں "بنو محارب" اور "بنو ثعلبہ" مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ رسول خدا(ص) 400 یا 700 مسلمانوں کا لشکر لے ان کے مقام اجتماع کی طرف عازم ہوئے۔ حتی کہ کوہ ذات الرقاع کی حدود میں پہنچے اور معلوم ہوا کہ دشمن پہاڑوں میں مورچہ بند ہوئے ہیں۔ آپ(ص) نے کچھ دن وہیں قیام کیا اور مدینہ کی طرف پلٹ آئے۔ لیکن قیام کے دوران اندیشہ تھا کہ دشمن اپنے مورچے چھوڑ کے حملہ کریں چنانچہ آپ(ص) نے وہاں مسلمانوں نماز خوف ادا کی۔ لشکر اسلام نے رات کے وقت ایک

درے میں آرام کرنے کا فیصلہ کیا؛ مہاجرین میں سے عمار بن یاسر نے اور انصار میں سے عباد بن بشر نے رسول اکرم(ص) کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے درے کے دہانے پر پہرہ دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی اور پہرے کے مقام پر پہنچے اور دونوں نے اتفاق کیا کہ رات کو دو حصوں میں بانٹ لیں ایک حصے میں ایک سوئے اور دوسرا پہرہ دے۔رات کا پہلا حصہ عباد کے حصے میں آیا اور عمار سوگئے۔ایک دشمن شخص بھی قریب پہنچا تھا۔اس نے اندھیرے میں کھڑے ایک شخص کو دیکھا تو اس کی طرف تیر پھینکا؛ تیر عباد کے جسم کو لگا؛ انھوں نے تیر بدن سے کھینچ کر پھینکا لیکن لیکن نماز منقطع نہیں کی، اس مرد کے دوسرے تیر پر بھی عباد نے نماز جاری رکھی لیکن جب تیسرا تیر لگا تو انھوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور سلام دیکر نماز مکمل کرلی اور عمار کو جگایا اور کہا: اٹھو کیونکہ میں مزید پیروں پر کھڑے ہونے کی قوت نہیں رکھتا۔عمار اٹھے تو مشرک شخص نے دیکھا کہ وہاں دو افراد ہیں چنانچہ وہ وہاں سے فرار ہوگیا۔عمار نے عباد کو خون میں لپٹا پایا اور ماجرا پوچھا تو عباد نے ماجرا کہہ سنایا۔عمار نے کہا: تم نے پہلا تیر لگنے پر مجھے کیوں نہیں جگایا؟ عباد نے کہا: میں قرآن کی ایک سورت پڑھ رہا تھا جس کو منقطع کرنے پر دل راضی نہیں ہوا؛ لیکن جب دیکھا کہ تیر یکے بعد از دیگرے آرہے ہیں تو رکوع میں چلا گیا اور اپنی نماز مکمل کرلی۔خدا کی قسم! اگر مجھے رسول خدا(ص) کی نافرمانی کے ارتکاب اور دشمن کی طرف سے مسلمانوں کی طرف دست درازی کے امکان کا خوف نہ ہوتا کسی قیمت پر بھی

نماز توڑنے کے لئے راضی نہ ہوجاتا حتی اگر اس راہ مجھے میری سانس اکھڑ جاتی اور جان چلی جاتی۔[13]

(۱۳)غزوہ بدر ثانیہ :

غزوۂ احد سے لوٹتے وقت ابوسفیان نے کہا تھا ہمارا تمہارا وعدہ ہے کہ آئندہ سال بدر میں مقابلہ ہوگا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے قبول کیا تھا۔ دوسرے سال شعبان یا ذی قعدہ ۴ ھ میں آپ وعدہ کے موافق روانہ ہوئے۔ ۱۵۰۰ مجاہدین اور ۱۰ گھوڑے آپ کے ساتھ تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) بدر تک گئے ۸ دن تک کفار کا انتظار کیا مکہ سے ابوسفیان ۲۰۰۰ آدمی اور ۵۰ گھوڑے لے کر نکلا مقام عسفان تک آیا، وہاں اس نے کہا یہ سال مناسب نہیں اس سال خشک سالی تھی اسلئے سب لوٹ گئے۔

(۱۴)غزوہ دومۃ الجندل:

یہ ایک قلعہ ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو خبر ملی کہ وہاں کفار جمع ہیں اور مدینہ پہ حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ربیع الاول ۵ ھ میں سباع ابن عرفطہ کو امیر بنا کر ۱۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ وہاں کا رخ کیا اور بنی عذرہ کے ایک آدمی کو راستہ بتانے کیلئے ساتھ لے لیا۔ دومۃ الجندل میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے آنے کی خبر پہنچی تو لوگ منتشر ہوگئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پہنچے تو کوئی نہ ملا چند روز ٹھہرے اور اطراف میں سرایا بھیجے مگر کوئی مقابلہ نہیں ہوا۔

---

[13] رسولی محلاتی، زندگانی حضرت محمد ﷺ

(۱۵)غزوہ بنی المصطلق:

مصطلق بنی خزاعہ کے ایک شخص کا لقب ہے اور بنی خزاعہ کا ایک مقام ہے یہ شعبان ۵ ھ میں واقع ہوا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو خبر ملی کہ حارث بن ابی ضرار بنی المصطلق کا سردار اپنی قوم اور دوسرے عرب قبائل کو لیکر رسول اللہ اورانکے اصحاب سے جنگ کی نیت سے نکلا ہے۔ آپ نے حصیب اسلمی کو تحقیق کیلئے بھیجا تحقیق کے بعد آپ نہایت مدینہ سے مع لشکر نکلے اور منافقین جو غزوات میں شریک نہیں ہوتے تھے وہ بھی ساتھ ہو گئے۔ حارث کے ساتھ صرف اسکے قبیلے کے لوگ رہ گئے آپ مصطلق نامی مقام پر ٹھہرے اور پہلے ہی حملہ میں شکست دیدی۔ سب لوگ گرفتار ہو گئیں، اونٹ بکریاں اور بہت سامال غنیمت ملا، کوئی مسلمان شہید نہیں ہوا، اسی میں ام المومنین عائشہؓ سے مربوط واقعہ افک پیش آیااور تیمم کا حکم بھی نازل ہوا۔

(۱۶)غزوہ خندق :

یہ شوال ۵ھ میں پیش آیا، کفار کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہودی قبیلے بنی نضیر کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے مدینہ سے نکال دیاہے اور بدر واحد کا حال سامنے تھا تو روساء بنی نضیر نے بنی وائل کے ساتھ مل کر مشرکینِ قریش کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے جنگ کرنے کی ترغیب دی اور وعدہ کیا کہ جب تک محمد ﷺ اوران کے ساتھیوں کا صفایانہ کر دیں تب تک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ قریش نے ان سے پوچھاہمارے اور محمد ﷺ کے مذہب میں کونسامذہب اچھاہے؟یہودیوں نے کہاتمہارادین محمد ﷺ کے دین سے اچھاہے اور تمہارادین مقدم ہے۔

اس مرتبہ قریش ۴۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ نکلے سردارِ لشکر حسبِ معمول ابوسفیان تھااس لشکر میں ۳۰۰۰ گھوڑے اور ۱۰۰۰ اونٹ تھے سارے قبائل جو اسلام کے خلاف تھے میدانِ خندق میں جمع

تھے ان کی تعداد ۱۰۰۰۰ تھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو جب خبر ملی تو آپ نے سلمان فارسیؓ کی رائے سے خندق کھودی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سمیت سب اس میں شریک ہو گئے۔ سردی کا موسم تھا سب بھوکے تھے وسائلِ خورد و نوش ناپید ہو چکے تھے، تین تین روز فاقہ ہو جاتا تھا خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔

حضرت سلمانؓ نے اس دن تنہا ۱۰ آدمیوں جتنا کام کیا یہ دیکھ کر انصار نے کہا کہ یہ ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہ ہم میں سے ہیں دونوں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے پاس گئے تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے فرمایا یہ میرے اہل بیتؑ میں سے ہیں۔ خندق کھودنے کے درمیان بڑے بڑے آثار اور معجزات ظاہر ہوئے درمیان میں ایک پتھر ملا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اس پر تین ضربیں لگائیں اس میں شام، یمن اور فارس کی فتح کی بشارت دی۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے عورتوں اور بچوں کو مدینہ کے محفوظ اور بلند مکانات میں جمع کر دیا اور ۳۰۰۰ مہاجرین اور انصار کے ساتھ کوہ سلع کے دامن میں ٹھہرے اور بنو قریضہ نے جو آپ کے حلیف تھے معاہدہ توڑ دیا جس سے کفار بہت خوش ہوئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو اطلاع پہنچی تو آپ نے تحقیق کیلئے بھیجا اور کہا کہ اس طرح اطلاع دو کہ مسلمانوں میں بد دلی نہ پھیلے یہ لوگ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حالت اور زیادہ خراب ہے وہ علانیہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ایک مہینہ سے کچھ کم کفار کا محاصرہ رہا بالمقابلہ جنگ نہیں ہوئی مگر تیریں چلا کرتی تھیں کفار حیران تھے کہ اس خندق کو کیسے پار کریں یہ ایک ایسی تدبیر تھی کہ عرب اس سے کبھی واقف نہیں تھے آخر ایک تنگ جگہ دیکھ کر داخل ہو گئے اور لڑنے کیلئے للکارا حضرت علیؑ نے عمر ابن عبد ود کو قتل کیا باقی بھاگ گئے۔ محاصرہ طویل ہوا مسلمانوں پر جو پریشانیاں اس غزوہ

میں نازل ہوئیں کسی اور میں نہیں ہوئیں بدر میں صرف ایک دن کا قصہ تھا اور صرف قریش سے تھا بعض کفار نے خندق کے ہر طرف ہجوم کیا صحابہؓ کو ہر طرف سے مدافعت کرنی پڑی۔

اس دن زوردار طوفان آیا اور کفار کے سارے خیمہ اکھڑ گئے تنابیں ٹوٹ گئیں سامان منتشر ہو گئے چولہے بجھ گئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے حضرت حذیفہ ابن یمان کو بلا کر کفار کا حال دریافت کرنے بھیجا انہوں نے دیکھا کہ کفار کے ہوش اڑ گئے ہیں ابو سفیان نے قریش سے کہا اب ہم نہیں ٹھہر سکتے قریش کی خبر سن کر غطفان بھی روانہ ہو گئے اس طرح تمام قبائل جو متفقہ طور پر حملہ کیلئے جمع ہوئے تھے ناکام واپس ہوئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی نے "صبا" کے ذریعہ میری مدد فرمائی اور "دبور" سے قوم عاد کو ہلاک کیا۔

(۱۷)غزوہ بنو قریضہ :

غزوۂ بنی قُرَیظہ یہودیوں کے ساتھ رسول خداؐ کے معرکوں میں سے آخری معرکہ ہے جو سن ۵ ہجری میں لڑا گیا۔اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ یہودی قبیلے بنو قریظہ نے رسول اللہؐ کے ساتھ اپنے معاہدے کو پامال کر دیا تھا اور جنگ خندق میں مشرکین اور دوسرے احزاب کے ساتھ تعاون کر چکے تھے۔چنانچہ مسلمانوں نے بنو قریظہ کے قلعوں کا محاصرہ کیا؛ محاصرہ ایک ماہ تک جاری رہا اور بعد ازاں بنو قریظہ نے قلعے ترک کر کے ہتھیار ڈال دیئے اور یہودیوں نے سعد بن معاذ کا نام بطور ثالث پیش کیا اور آپؐ نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا اور ایک روایت کے مطابق سعد نے ان کے جنگجو مردوں کے قتل اور بچوں اور عورتوں کی اسیری اور اموال کی ضبطی کا حکم جاری کیا۔بعض مؤرخین نے دلائل دے کر اس روایت میں شک و تردد ظاہر کیا ہے کہ سعد نے ان کے مردوں کے قتل کا حکم

دیا ہو اور اس کو خزرجیوں کے حسد کا شاخسانہ قرار دیا ہے کیونکہ سعد بن معاذ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔

(۱۸)غزوۂ بنی لحیان :

یہ غزوہ ماہ محرم الحرام سنہ ٦ ہجری کورونما ہوا؛ :وغاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن المدینۃ اربع عشرۃ لیلۃ وکان استخلف عن المدینۃ ابن ام مکتوم وکانت سنۃ ست فی المحرم۔[14]

ترجمہ: اور رسول خدا ص ۱۴ دن تک مدینہ سے دور رہے اور مدینہ میں ابن ام مکتوم کو بطور جانشین مقرر کیا اور یہ سنہ 6 ہجری کا ماہ محرم تھا۔ رجیع کا افسوسناک واقعہ ماہ صفر سنہ ۴ ہجری کو رونما ہوا تھا جس میں ٦ مسلم مبلغین کو بنو لحیان کی حیلہ گری سے تبلیغ کے لئے غران کے علاقے میں بلایا گیا تھا اور ان میں سے ۱۳ افراد کو وہیں شہید کیا گیا اور 3 کو قریش سے انعام کی لالچ میں مکہ کی جانب لے جایا گیا اور ان سے انے دشمن کے ہاتھوں سے فرار ہونے کی کوشش میں جام شہادت نوش کیا جبکہ ۲ کو قریشیوں نے تختۂ دار پر لٹکا کر شہید کیا۔ اسکے بدلے کے لیے یہ غزوہ پیش آیا، غزوہ بنی قریظہ کے بعد مدینہ کی حالت سنبھل گئی تو آپ (ص) نے بنو لحیان کی طرف عزیمت کی اور بطن غران تک پیشقدمی کی۔ انھوں نے مسلم مبلغین کے مقام شہادت پر دو روز قیام کیا لیکن بنو لحیان کا کوئی آدمی ان کے ہاتھ نہیں لگا۔

---

[14] مغازی واقدی

(۱۹)غزوہ ذی القرد :

یہ ایک چشمہ کانام ہے جو مدینہ میں ایک منزل پر بلاد بنی غطفان کے قریب ہے اس کو غزوۂ غابہ بھی کہتے ہیں۔ غزوہ ذی قَرَد جسے عربی میں: غزوَةُذِي قَرَد یا غزوةُ الغابہ کہتے ہیں، ماہ جمادی الاول سنہ ٦ ہجری میں عیینہ بن حصن فزاری کی سرکردگی میں غطفان کے سواروں اور مسلمانوں کے درمیان واقع ہے۔اس معرکے میں دو مسلمان شہید اور دو غطفانی مشرکین ہلاک ہوئے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے غلام حضرت رباح کو اپنے اونٹ دیکھنے کیلئے اس جگہ بھیجا انکے ساتھ سلمہ ابن اکوع بھی تھے ان کے پاس طلحہ ابن عبید اللہ کا گھوڑا تھا ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ایک فزاری نے آپ کے اونٹوں پر حملہ کر دیا اور ہانک کر لے گیا چرواہے کو قتل کر کے اس کی عورت کو بھی لے بھاگا سلمہ ابن الاکوع ثنیۃ الوداع پہنچے تو واقعہ کا علم ہوا دشمن سوار نظر آئے انہوں نے گھوڑا دے کر رباح کو مدینہ روانہ کیا تا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو خبر کر دیں اور خود تعاقب میں نکل گئے یہ بڑے زبردست تیر انداز تھے سلع کے دامن میں زور دار آواز دی "یاصباحا!" تا کہ خطرہ کی خبر مدینہ میں پہنچ جائے اور دشمن کے پیچھے چلے گئے قریب پہنچ کر تیر اندازی شروع کر دی۔

ان کی طرف کوئی رخ کر تا تو درخت کی آڑ سے تیر مار کر زخمی کر دیتے کبھی پہاڑیوں پر چلے جاتے کبھی نظروں سے غائب ہو جاتے دشمن دو پہاڑیون کے درمیان تنگ راستہ سے حملہ کرنا چاہتا تو اوپر جا کر پتھر برسانا شروع کر دیتے اس طرح دشمن کو پریشان کر دیا دشمنوں نے ہزار کوششیں کیں مگر وہ ہاتھ نہیں لگے۔خود فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جتنے اونٹ تھے واپس لے لئے

اوران کو مدینہ کی طرف ہنکادیا پھر تعاقب میں نکل گئے دشمنوں کی حالت یہ ہوگئی کہ چادریں اور نیزے بوجھ ہلکا کرنے کیلیئے راستہ میں ڈالتے جاتے اور ہم ان پر نشان رکھ کر آگے پھر تعاقب میں نکلتے 30 سے زیادہ چادریں اور نیزے انہوں نے پھینکے مگر ہم نے تعاقب نہیں چھوڑا ایک مقام پر ایک فزاری اس جماعت کے پاس آیا اور کہا کیوں پریشان ہو؟ تو کسی نے کہا اس شخص نے ہم کو پریشان کر دیا یہاں تک کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے اسکے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے سوار درختوں میں سے نمودار ہوئے سب سے آگے اخرم تھے ان کو دیکھ کر دشمن بھاگنے لگے ہم نے ان کو پکڑا اور کہا تنہا مت جاؤ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) آنے دو انہوں نے جواب دیا سلمہ اگر تم جنت، اللہ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتے ہو تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ بنو چنانچہ وہ لڑے اور شہید ہوگئے۔ حضرت سلمہ مغرب تک تعاقب کیا اور دو گھوڑے لے کر واپس ہوئے تو آپ کو اپنے اصحاب کے ساتھ چشمہ کے پاس تشریف رکھے پایا بلال گوشت بھون رہے تھے اس غزوہ میں دو لوگ شہید ہوگئے

(۲۰)غزوہ حدیبیہ :

ذی قعدہ سن ۶ ھ میں سرور دوعالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صحابہ کے ساتھ عمرہ یا حج کیلیئے روانہ ہوئے ایک شخص کو جاسوس بنا کر بھیجا کہ قریش کے حالات کی خبر دیں جاسوس نے خبر دی کہ قریش کو آپکے آنے کی اطلاع ہوچکی ہے اور وہ قبائل کو جمع کر کے مقابلہ کیلیئے تیاری میں مصروف ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل ہونے نہ دیں، مشرکین قریش نے مزاحمت دکھائی۔ آپؐ نے ایک آدمی قریش کی طرف بطور ایلچی روانہ کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ جا کر مذاکرہ کرے اور آپؐ نے اس مقصد کے لئے ابتداء میں عمر بن خطاب کو منتخب کیا لیکن انھوں نے جانے سے انکار کیا اور عثمان بن

عفان کا نام تجویز کیا۔ عثمان چلے گئے تو ان کے قتل کی خبر آئی جس کے بعد مسلمانوں نے رسول خداؐ کے ہاتھ پر از سر نو بیعت کی اور یہ بیعت بیعت رضوان کے عنوان سے مشہور ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ عثمان قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ مکہ میں قید تھے۔ قریش نے ایک نمائندہ مسلمانوں کی طرف روانہ کیا تاکہ ان کے ساتھ صلح کے معاہدے پر دستخط کرے جس کے تحت مسلمان اس سال خانۂ خدا کی زیارت کئے بغیر مدینہ واپس چلے جائیں اور اگلے سال مکہ کا سفر کریں تاکہ قریش کو دوسرے عربوں کی ملامت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس شخص کا نام "سہیل بن عمرو" تھا اور رسول خداؐ نے سہیل کو دیکھ کر فرمایا: "قریش اس شخص کو بھیج کر، مصالحت کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ فریقین کے درمیان قیدیوں کے تبادلے پر اتفاق ہونے کے بعد، صلح نامے پر رسول اللہؐ اور قریش کے نمائندے نے دستخط کئے۔ رسول خداؐ۔ جو صلح کے فوائد سے بخوبی آگاہ تھے۔ نے زیادہ لچکدار رویہ اپنایا۔ اس لچکدار رویئے کا ایک نمونہ یہ تھا کہ آپؐ نے سہیل بن عمرو کے اس مطالبے سے اتفاق کیا کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کو معاہدے کے سرنامے سے حذف کیا جائے اور اس کے بجائے "باسمک اللہم" لکھا جائے؛ نیز آپؐ نے سہیل کا یہ مطالبہ بھی قبول کیا کہ رسول اللہ کا عنوان حذف کیا جائے اور اس کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھا جائے۔ آخر کار فریقین کے درمیان مذاکرات کے نتیجے میں صلح کا معاہدہ منعقد ہوا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ بعض صحابہ نے اس صلح اور رسول خداؐ کے لچکدار رویے کی مخالفت کی اور تنقید اور غیظ و غضب کا مظاہرہ کیا اور بعض صحابہ نے درشت لہجہ استعمال کیا اور طعن آمیز سوالات کیے۔ عمر ابن خطابؓ نے اس صلحنامے کو مسلمانوں کی حقارت کا سبب قرار دیا اور اپنی رائے پر اس قدر اصرار کیا کہ ابو عبیدہ جراح نے جاکر ان سے کہا: "شیطان کے شر سے

خدا کی پناہ مانگو اور اپنی رائے کو غلط سمجھو"، عمر خود معترف تھے کہ: خدا کی قسم میں نے اسلام قبول کرنے سے لے کر واقعۂ حدیبیہ تک آپؐ کی رسالت میں اس قدر شک نہیں کیا تھا؛ چنانچہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "کیا آپ پیغمبر نہیں ہیں؟ مختلف روایات کے مطابق مسلمانوں نے ۱۰ سے کچھ زیادہ دن یا ۲۰ دن سرزمین حدیبیہ میں قیام کیا۔ رسول خداؐ نے اپنا خیمہ حرم کی حدود سے باہر نصب کیا تھا لیکن نماز حرم کی حدود میں بجا لاتے تھے۔ جب معاہدے پر دستخط ہوئے اور مسلمانوں اور مشرکین میں سے بعض افراد اس کے انعقاد کے گواہ بنے تو رسول خداؐ نے حکم دیا کہ اپنے اونٹوں کو قربانی کے عنوان سے نحر کریں اور اپنے سر منڈوا دیں بعذ ازاں مسلمان مدینہ واپس آئے۔ اگرچہ یہ ظاہری طور پہ جنگ نہ تھی مگر یہ دراصل سفارتی جنگ تھی جو کہ دوررس نتائج کو سامنے رکھ کر لڑی گی۔

(۲۱)غزوۂ خیبر:

سنہ 4 ہجری میں، جب رسول اللہ(ص) نے بنو نضیر کے یہودیوں کو خیانت کے جرم میں مدینہ سے نکال باہر کیا، حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق سمیت بعض یہودی خیبر کی طرف چلے گئے۔ وہ اگلے سال مکہ چلے گئے اور قریش کو رسول اللہ(ص) کے خلاف جنگ پر اکسایا۔ وں خیبر نو بنیاد اسلامی امت کے لئے خطرات اور سازشوں کے اڈے میں تبدیل ہوگیا۔ ماہ شعبان سنہ 6 ہجری میں بھی جب رسول خدا(ص) کو معلوم ہوا کہ خیبر کے عرب پڑوسی قبیلے "بنو سعد بن بکر" نے خیبر کے یہودیوں کے لئے اجتماع کیا ہے تو آپ(ص) نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک گروہ

کی سرکردگی میں ان کی طرف روانہ کیا۔امام علی علیہ السلام نے حملہ کیا تو مذکورہ قبیلے کے جنگجو بھاگ گئے اور بہت سے غنائم مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔نیز اسی سال رمضان کے مہینے میں عبداللہ بن عتیک کی سرکردگی میں ایک سریئے کے کے دوران رسول خدا(ص) کے خلاف احزاب کو اکسانے والے سلام بن ابی الحقیق کو ہلاک کیا گیا۔اسی زمانے میں عبداللہ بن رواحہ کو خیبر میں جاکر تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا۔ بعدازاں خیبر کے یہودیوں نے اُسَیر بن زارِم / یُسَیر بن رِزام کو امیر بنایا اور اس نے قبیلہ غطفان سمیت عرب قبائل کو رسول خدا(ص) کے خلاف اکسایا اور ان کی مدد سے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

چنانچہ آپ(ص) نے شوال سنہ 6 ہجری میں ایک بار پھر عبداللہ بن رواحہ کو کچھ سپاہی دے کر خیبر روانہ کیا اور جنگ کے نتیجے میں اُسَیر سمیت بعض یہودی مارے گئے۔

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مدینہ کے قرب وجوار کے ان قبائل کی طرف متوجہ ہوئے جو فساد برپا کرنے میں مصروف تھے، مدینہ سے نکالنے کے بعد بنو نضیر خیبر میں آ گئے تھے اور یہاں کے یہودیوں نے انہیں پناہ دی تھی، بنو غطفان بھی ان یہودیوں کی مدد کے لئے خیبر روانہ ہو گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی فوجی نقل وحرکت ہمیشہ پر اسرار ہوتی تھی، آپ نے خیبر کا رخ کیا تو بجائے سیدھے تشریف لے جانے کے ایسا راستہ اپنایا جو غطفان اور خیبر کے درمیان سے ہو کر گذرتا ہے اسلئے خیبر کے یہودیوں اور غطفانیوں میں سے کوئی بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کا حملہ کس پر ہونے والا ہے اسلئے دونوں کو یہ خوف ہوا کہ حملہ ہمارے اوپر ہونے والا ہے لہذا غطفان کے قبیلہ نے اپنے لشکر کو واپس بلا لیا وہ خیبر کو چھوڑ کر اپنی حفاظت کی تدبیروں میں رہ گئے اور خیبر کے یہودی تنہا رہ گئے، آپ نے پہلے غطفان کے علاقہ پر قبضہ کیا اسکے بعد خیبر کی طرف متوجہ ہوئے۔ غزوہ خیبر میں مسلمانوں کی تعداد

۱۴۰۰،یا ۱۵۰۰یا۱۵۴۰ تھی۔غزوہ خیبر میں ۲۰ خواتین نے شرکت کی جن میں ام المؤمنین ام سلمہ بھی شامل تھیں۔بنو غفار کی خواتین رسول اللہ(ص) کی اجازت سے زخمیوں کی مرہم پٹی اور مسلمانوں کی مدد کرنے کی غرض سے شریک ہوئیں۔مدینہ کے یہودیوں میں سے ۱۰ افراد اور غلاموں کی ایک جماعت نے بھی شرکت کی۔

خیبر میں یہودیوں نے کئی چھوٹے بڑے قلعے بنا رکھے تھے، جو بیرونی حملے سے انہیں محفوظ رکھتے تھے، سب سے پہلے "ناعم" نامی قلعہ کو مسلمانوں نے فتح کیا، یہاں یہودیوں نے ایک صحابی پر چکی کا پاٹ پھینکا، جس سے وہ شہید ہوگئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ان قلعوں کو فتح کرنے کے لئے کئی سالار مقرر فرمائے مسلم سالار نے ان قلعوں کا بارہ دن تک محاصرہ کیا مگر کامیابی نہیں ہوئی تیرھویں دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) خود میدان جنگ میں تشریف لائے اور حضرت علیؑ کو سالاری دی، اور امام علیؑ کی قیادت میں خیبر فتح ہوا، فتح کے بعد خیبر کے یہودی ہتھیار ڈال دئے، مروی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہاتھوں فتح خیبر کے بعد یہودی عمائدین میں سے سلّام بن مشکم کی بیوی زینب بنت حارث نے اپنے باپ حارث، چچا حارث اور شوہر کا بدلہ لینے کی غرض سے زہریلا گوشت رسول اللہ(ص) کو بطور ہدیہ پیش کیا۔رسول خدا(ص) اور بشر بن براء سمیت بعض صحابہ نے اس گوشت میں ایک ایک نوالہ تناول کیا اور پھر سب نے آپ(ص) کی ہدایت پر ہاتھ کھینچ لیا۔بشر موقع پر ہی (یا ایک سال علالت کے بعد) اسی مسمومیت کی وجہ سے انتقال کرگئے؛ جیسا کہ رسول اللہ(ص) کی شہادت کو بھی اسی زہریلے گوشت کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔یہودی جلاوطنی کی شرط پر تمام جائداد چھوڑ کر نکل جانا منظور کرلیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے انکی پیش

کش قبول کرلی اور جن یہودیوں نے بطور کاشتکار وہاں رہنے کی خواہش ظاہر کی انہیں اسکی اجازت دیدی۔

(۲۲)غزوہِ عُمرَۃُ القَضاء:

عُمرَۃُ القَضاء یا عمرۃ القضیۃ یا عُمرَۃُ القَصاص اس عمرے کو کہا جاتا ہے جسے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں نے سنہ ۷ ہجری قمری کو ذی الحجہ کے مہینے میں انجام دئے۔ مسلمان پچھلے سال ذی القعدہ میں عمرہ کرنا چاہتے تھے؛ لیکن مکہ کے مشرکین مانع بنے اور حدیبیہ میں انجام پانے والے صلح کی وجہ سے مسلمانوں کو اگلے سال حج عمرہ انجام دینے کی اجازت مل گئی۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس عمرے میں طواف اور سعیِ کو شتر پر انجام دیا اور اپنے عصا کے ذریعے حجر الأسود کو لمس فرمایا۔ تین روز تک قریش کی عدم موجودگی میں وہیں قیام کیا اور عمرہ کے اعمال انجام دیئے۔

(۲۴)غزوہ فتح مکہ :

یہ عظیم الشان واقعہ رمضان المبارک ۸ ھ میں پیش آیا جس کو فتح اعظم اور فتح مکہ بھی کہا گیا ہے۔ ۲۰ رمضان سنہ ۸ ہجری (۱۰ جنوری سنہ ۶۳۰ ء) کو انجام پایا۔ مسلمانوں نے اس مہم کے نتیجے میں مکہ کو فتح کرکے اسلامی حکومت کے قلمرو میں شامل کیا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ قبیلۂ قریش نے اس جنگ بندی کی خلاف ورزی کی جو صلح حدیبیہ کے تحت مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان قائم تھی۔ وہ یوں کہ قریشیوں نے اپنے حلیف قبیلے بنو الدئل بن بکر بن عبد منات بن کنانہ اور بنو نفاثہ کی مدد کرتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف

قبیلے خزاعہ پر حملہ کیا اور ان کے متعدد افراد کو جن میں خواتین، بچے اور کمزور افراد شامل تھے، قتل کیا؛ اور یوں قریش نے اس اقدام کے ذریعے مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدے کو توڑ دیا جس کو میثاق حدیبیہ کہا جاتا تھا۔قریش کی اس گستاخی کے جواب میں پیغمبر اسلام (ص) نے ۱۰۰۰۰ افراد پر مشتمل سپاہ کو مسلح کیا۔پاہ اسلام میں 700 مہاجرین، 4000 انصار، مُزَینہ کے 1000 افراد، جُہَینہ کے 800 افراد، بنو کعب بن عمرو کے 500 افراد نیز بعض دیگر افراد شامل تھے اور سپاہ میں شامل افراد کی کل تعداد 10000 تک پہنچتی تھی۔بنو سلیم کے 900 افراد قُدید کے مقام پر رسول خدا(ص) سے جا ملے،سپاہ اسلام نے مدینہ سے مکہ کی جانب عزیمت کی، مکہ پہنچی اور پرامن انداز سے شہر میں داخل ہوئی؛ گو کہ خالد بن ولید کو عکرمہ بن جہل کی سرکردگی میں کچھ قریشی افراد کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔اس جھڑپ میں ۲۵ مشرکین ہلاک اور باقی فرار ہوئے جبکہ ۲ مسلمان شہید ہوئے۔ قریش کو معلوم نہیں تھا کہ سپاہ اسلام کی منزل مقصود کہاں ہے یہاں تک کہ مسلمین مرالظہران کے مقام پر پہنچے۔آپ(ص) نے رات کے وقت مرالظہران کے مقام پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ 10000 مقامات پر بڑی آگ جلائیں۔ابو سفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء جو معلومات حاصل کرنے کے لئے آئے تھے، آگ دیکھ کر خوفزدہ ہوئے اور انھوں نے گمان کیا کہ گویا قبیلہ ہوازن ان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ابو سفیان آگے بڑھا اور اس کو سپاہ اسلام کو سامنا کرنا پڑا اور اس نے عباس بن عبد المطلب کو دیکھا (یا عباس کو بلوایا یا مسلمانوں نے اس کو قید کرلیا اور بعد میں عباس نے اس کو چھڑایا)۔عباس نے اس موقع پر اس کو قبول اسلام کی دعوت دی۔ ابن ہشام کی روایت کچھ یوں ہے کہ کچھ مسلمانوں نے ابو سفیان کو مارنا چاہا لیکن عباس

بن عبدالمطلب نے اس کو پناہ دے رکھی تھی اس لیے باز آئے۔رات کو قید میں رکھ کر صبح حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ(ص) نے ابو سفیان سے مخاطب ہوکر فرمایا "کیا ابھی اس کا وقت نہیں آیا کہ تو یہ سمجھے کہ ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے؟" ابوسفیان نے کہا کہ اگر خدائے واحد کے علاوہ کوئی خدا ہوتا تو ہماری مدد کرتا۔ چنانچہ آپ(ص) نے فرمایا: "کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟"، کہا: "مجھے آپ کی رسالت میں تردد ہے"۔یہ سن کر عباس سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ "اے ابوسفیان اگر تو اسلام نہ لایا تو تمہاری جان کی کوئی ضمانت نہیں"؛ چنانچہ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول خدا(ص) پہلی بار مسجد الحرام میں داخل ہوئے تو تکبیر کہہ رہے تھے اور مسلمان بھی آپ(ص) کی پیروی کرتے ہوئے تکبیر کہہ رہے تھے۔بعض مشرکین اطراف کی پہاڑیوں کے اوپر سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آپ(ص) نے طواف بجا لایا اور پھر بتوں کی جانب گئے۔اس وقت کعبہ میں 360 بت تھے اور سب سے بڑے بت کا نام "ہُبل" تھا۔ آپ(ص) نے ہر بت پر اپنی عصا سے ضربت مارتے اور ساتھ ساتھ آیت شریفہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ترجمہ:اور کہئے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے، کی تلاوت فرماتے رہے اور بت یکے بعد دیگرے گرتے رہے۔رسول اللہ کعبہ میں داخل ہوئے تو دیواروں پر کھینچی گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ملائکہ اور حضرت مریم کی تصویریں مٹا دیں۔امام علیؑ فرماتے ہیں کہ رسول خدا(ص) نے مجھے اٹھایا اور کعبہ کے قریب لے گئے اور فرمایا: بیٹھو! میں بیٹھ گیا اور آپ(ص) میرے کاندھوں پر کھڑے ہوئے اور جب

آپ(ص) نے میرے اٹھنے میں ضعف محسوس کیا تو آپ میرے کاندھوں سے اترے اور خود بیٹھ گئے اور مجھے حکم دیا کہ آپ(ص) کے شانوں پر چڑھ جاؤں اور فرمایا: قریش کا سب سے بڑا بت گرا دو۔وہ بت تانبے کا بنا ہوا تھا اور بڑی بڑی کیلوں کے ذریعے زمین میں پیوست تھا۔رسول اکرم(ص) نے فرمایا: اس بت کو ہلا دو اور زمین پر گرا دو اور میں نے ایسا ہی کیا۔ رسول خدا(ص) نے سب کو معاف کر دیا، صرف چند مشرک مردوں اور عورتوں کو واجب القتل قرار دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ "جہاں بھی دیکھیں انہیں قتل کریں خواہ وہ پردہ کعبہ سے کیوں نہ لٹکے ہوں"۔مردوں میں سے ایک عکرمہ بن ابی جہل تھا، (جو بعد میں بخشا گیا)، ہبار بن اسود (جو بخشا گیا)، عبداللہ بن سعد بن سرح (جو بخشا گیا)، یہ شخص ایک دفعہ مسلمان اور بعد میں مرتد ہوگیا تھا؛ مقیس بن صبابہ لیثی (جو فتح مکہ میں مارا گیا)، حویرث بن نُقَیذ جس کو امام علی(ع) نے کچھ عرصہ تلاش کرنے کے بعد ہلاک کر دیا، عبداللہ بن ہلال ادرمی اور حمزہ سید الشہداء کا قاتل (جو بخشے گئے)، حویرث بن الطلال خزاعی جو امام علی(ع) کے ہاتھوں مارا گیا)۔عورتوں میں ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بن ربیعہ (جس کو بخش دیا گیا)؛ عمرو بن ہاشم کی آزاد کردہ کنیز سارہ (جس کو مار دیا گیا)، دو گاین کنیزیں قُرَیبہ (جو ماری گئی) اور قرینا (جو بھاگ گئی اور بعد میں امان حاصل کرچکی)۔عبداللہ بن خطل بھی واجب القتل افراد میں سے تھا اور ایسے حال میں مارا گیا جب پردہ کعبہ سے لٹکا ہوا تھا۔وہ مرتدین میں سے تھا اور اسلام کی ہجو گوئی کرتا رہا تھا؛ اور اپنی کنیزوں کو حکم دیا کرتا تھا کہ اس کے ہجائی اشعار کو گانے کی صورت میں پڑھیں۔پوری سیرت نبویہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آپ(ص) دشمن کے تشہیری اقدامات سے کبھی غافل نہیں رہتے تھے اور جب بھی موقع ملتا تھا تشہیریوں کا قلع

قمع کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔کیونکہ مکتب رسالت میں حق و حقیقت کے خلاف عوامی جذبات کو مشتعل کرنا ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔فتح مکہ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی حاضر تھیں۔ بن ہشام نے روایت کی کہ رسول اللہ(ص) نے خطبے کے آخر میں قریش سے مخاطب ہوکر پوچھا: اے قریشیو! تمہاری رائے کیا ہے کہ میں کس طرح کا برتاؤ تمہارے ساتھ روا رکھوں گا؟ انھوں نے عرض کیا: خیرا،أخ کریم،وإبن أخ کریم ہم آپ سے خیر اور نیکی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے صاحب جود و کرم بھائی ہیں اور ہمارے کریم بھائی کے فرزند ہیں۔چنانچہ آپ(ص) نے فرمایا: إذھبوا فأنتم الطلقاء۔جاؤ تم آج سے آزاد کردہ ہو اور بعد ازاں مسجد میں بیٹھ گئے۔

(۲۵)غزوۂ حنین:

فتحِ عظیم کے بعد مشرکین عرب کی شوکت کا تقریباً خاتمہ ہوگیا اب سارے عرب قبائل اسلام میں داخل ہوتے گئے۔طائف میں سکونت پذیر دو قبیلے، ہوازن اور ثقیف نے فتح مکہ کے بعد آپ(ص) کی طرف سے عسکری مہم کے خوف سے حفظ ما تقدم کے طور پر مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ رسول اللہ(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو جب حال معلوم ہوا تو صحابہ کو اکھٹا کر کے مشورہ کرنے کے بعد ۱۰ شوال ۸ ھ کو حنین روانہ ہوئے، آپ(ص) نے عبداللہ بن ابی حَدرَد اَسلَمی کو روانہ کیا کہ بھیس بدل کر دشمن کے پڑاؤ میں داخل ہو اور وہاں سے معلومات حاصل کریں اس وقت لشکر اسلام میں ۱۲۰۰۰ جانثار تھے ۱۰۰۰۰ انصار و مہاجرین اور ۲۰۰۰ نو مسلم تھے۔مہاجرین کا پرچم علی(ع) کو، خزرج کا پرچم حباب بن منذر (ایک

اور روایت کے مطابق سعد بن عبادہ) کو، اور اوس کا پرچم اسید بن حضیر کو عطا ہوا۔قبیلۂ خزرج اور قبیلۂ اوس اور دوسرے عرب قبائل کے ذیلی قبائل کو بھی الگ الگ پرچم دیئے گئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے بھی بذات خود مسلح تھے ۔

مسلمانوں کے اندر ان کے لشکر کی کثرت اور قوت کے گھمنڈ پر زبان سے یہ نکل گیا کہ آج ہماری قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا خدا کو یہ تکبر پسند نہیں آیا اسلئے عبرت کیلئے اللہ نے یہ انتظام کیا کہ کفار کی طرف سے چہار جانب سے اسلامی لشکر پر بارش کی طرح تیریں برسنا شروع ہو گئیں اس سے مسلمانوں میں تزلزل آگیا چند صحابہ کے علاوہ تمام قبائل نے راہ فرار اختیار کی حضرت عباس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے اشارہ پر بلند آواز سے مفرور مسلمانوں کو للکارا سب آپ کی طرف جمع ہو گئے اور جنگ کی نتیجہ یہ ہوا کہ شکست فتح میں بدل گئی اسی پر یہ آیت اتری!

قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کے غرور، پسپائی اور اللہ کی غیبی امداد کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئاً وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (25) ثُمَّ أَنَزلَ اللهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُوداً لَّمْ تَرَوْهَا وَعذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُواْ وَذَلِكَ جَزَاء الْكَافِرِينَ (26)

(ترجمہ: اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بہت سے مقامات پر اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت تعداد نے تمہیں غرور پیدا کر دیا تو اس نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا اور تم پر زمین اپنی وسعت کے ساتھ تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھرا کے پسپا ہوئے (25) پھر اللہ نے اپنی طرف کا سکون و اطمینان اتارا اپنے پیغمبر اور (سچے) ایمان والوں پر اور ایسی فوجیں اتاریں جنہیں تم نے دیکھا نہیں اور سزا دی انہیں جنہوں نے کفر کیا اور یہی سزا ہوتی ہے کافروں کی۔ رسول خدا جعرانہ میں 13 راتوں تک قیام

کے بعد چہار شنبہ کی شب بتاریخ 18 ذوالقعدہ، عمرہ بجا لایا اور پنج شنبہ کے روز مدینہ واپس آئے۔

(۲۶)غزوۂ طائف:

جنگ حنین سے بھاگنے والے مشرکین میں سے جو افراد مالک بن عوف کے ساتھ طائف چلے گئے تھے ان میں سے زیادہ تر وہ ثقفی تھے جو اس میں جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ بعض لوگ نخلہ چلے گئے تھے اور بعض لوگوں نے اوطاس میں اپنی پرانی چھاؤنی میں پڑاؤ ڈالا تھا؛ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور پسپا ہوتے ہوئے طائف کے قلعوں میں پہنچے اور اہ شوال سنہ ۸ ہجری میں رسول اللہ(ص) نے قلعوں کا محاصرہ کرلیا۔ رسول خدا(ص) نے حکم دیا کہ بآواز بلند اعلان کیا جائے کہ جو بھی غلام اپنے آقاؤں کو چھوڑ کر ہماری طرف آئے گا اس کو آزاد کیا جائے گیا جس کے بعد ۱۵ غلام قلعے سے باہر آئے اور مسلمانوں سے آملے۔نوفل بن معاویہ نے رسول خدا(ص) کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا کہ ثقیف لومڑیوں کی طرح اپنے آشیانے میں ہیں اور اگر آپ(ص) رہیں تو بہر صورت انہیں شکار کردیں گے لیکن اگر انہیں چھوڑ کر واپس چلے جائیں تو ان سے کسی قسم کے خطرہ آپ(ص) کو لاحق نہیں ہو گا۔ محاصرے کے دوران 13 مسلمان شہید ہوئے، بہر حال رسول اللہ(ص) نے طائف کو چھوڑ دیا اور کچھ عرصہ بعد طائف کا وفد مدینہ میں رسول خدا(ص) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کو ثقیف میں رواج ملا۔

(۲۷)غزوہ تبوک :

غزوہ تبوک، رسول خداؐ کے غزوات میں سے آخری غزوہ ہے۔یہ شام کا ایک مشہور شہر ہے سن ۹ ھ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو یہ اطلاع ملی کہ قیصر روم ایک عظیم لشکر لیکر مسلمانوں پر چڑھائی کیلئے تیاری کر رہا ہے یہ خبر اس وقت آئی جب حجاز میں قحط پڑا ہوا تھا زمین پیداوار سے خالی، نہریں اور تالاب خشک اور شدید گرمی تھی سخت آزمائش کا وقت تھا سینکڑوں میل کی مسافت اور تپتے ہوئے ریگستان ہونے کے باوجود مسلمان بے خوف ہو کر مدینہ میں جمع ہو رہے تھے ۔رسول اکرمؐ نے ابتداء میں مدینہ کے نواح میں ثَنی الوداع میں پڑاؤ ڈال دیا اور بعد ازاں ۳۰۰۰۰ مجاہدین کے ہمراہ مدینہ سے شمال کی جانب روم کی سرحدوں کی جانب عزیمت فرمائی۔ایک روایت کے مطابق سپاہ اسلام ۱۰۰۰۰ سواروں اور ۲۰۰۰۰ پیادوں پر مشتمل تھا؛ ہر قبیلے کو اپنا پرچم عطا کیا گیا؛ کام کاج کے اس موسم میں اتنی بڑی سپاہ کی فراہمی اللہ تعالی کے وعد و وعید کے ذریعے ممکن ہوئی۔رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے ایسی مشکل گھڑی میں اصل حقیقت کا اعلان کر دیا تا کہ جو شخص بھی اس کانٹے دار وادی پر قدم رکھے سوچ سمجھ کر رکھے۔ بعض صحابہ بالخصوص مدینہ کے منافقین نے سپاہ اسلام میں شمولیت سے انکار کیا یا مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔رسول اللہؐ نے عزیمت سے قبل علیؑ کو مدینہ میں بطور جانشین مقرر کیا۔سپاہ اسلام کئی دنوں تک تبوک میں قیام فرمایا۔جب مسلمانوں کا لشکر جرار تبوک کی طرف بڑھا تو جاسوسوں نے ہرقل کو خبر کر دی یہ خبر سنتے ہی وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا خائف ہو کر مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی سب منتشر ہو گئے۔آپ معاہدہ اور امن کا پروانہ دے کر واپس روانہ ہو گے۔ تبوک سے واپسی کے دوران "عقبہ" کے مقام پر بعض منافقین نے رسول خداؐ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی سازش بنائی لیکن خداوند متعال نے اپنے حبیب کو سازش سے آگاہ کیا اور آپؐ نے حذیفہ اور عمار کو ساتھ لے کر

روانہ ہوئے تا کہ گھاٹی سے گذر جائیں۔نقاب پوش منافقین نے آپؐ کی اونٹنی کو ہنکانے کا منصوبہ بنایا تھا۔عمار بن یاسر آپؐ کی اونٹنی کی باگ پکڑے ہوئے تھے اور حذیفہ پیچھے سے ہانک رہے تھے۔چلتے چلتے منافقین کے ایک گروہ نے آپؐ کو گھیر لیا۔آپؐ نے انہیں ڈانٹا؛ حذیفہ نے رسول اللہؐ کے حکم پر ان اپنے ڈنڈے سے ان کی سواریوں کا منہ موڑ دیا۔

جدید جنگی حکمتِ عملی:

آج کا زمانہ ایک انتہائی پیچیدہ زمانہ ہو چکا ہے، گزشتہ زمانوں کے برعکس جنگی میادین کی نوعیت بھی بدل چکی ہے، میدانِ کارزار اب ایک انتہائی آخری مرحلہ ہوا کرتا ہے، جس تک اکثر اوقات نوبت نہیں آتی، اس کے برعکس دیگر جنگی حکمت عملیوں کے ذریعے مخالفین کو زیر کر لیا جاتا ہے۔

آج کے میادینِ نبرد میں اہم میادین ۱۔ سوشل میڈیا ۲۔ ثقافتی یلغار ۳۔ سفارت کاری ۴۔ جاسوسی نیٹ ورک ۵۔ سرد جنگ ۶۔ اقتصادیات ۷۔ طبی شعبہ ۸۔ تفکرات و نظریات ہیں۔ اس صورتحال میں جدید جنگی حکمتِ عملی اپناتے وقت مغازی الرسول ہمارے لیے مینارہِ ہدایت ہیں۔ مطالعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے کے حقیقی مجاہدین اسلام ناب محمدی کے لیے خاتم المرسلین (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی سیرت و غزوات محرک و انگیزہ کا کام کرتی رہی ہیں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی اختیار کردہ کامیاب جنگی تدابیر (حکمتِ عملی) کی ایک واضح جھلک ہمیں درج ذیل پیرائے میں نظر آتی ہے -

"انہیوں نے اپنی مہمات میں حیرت، نقل و حرکت اور رفتار جیسے عناصر کو نہایت کامیابی سے استعمال کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے دشمنوں کو اکثر حیرت کا سامنا کرنا پڑتا جب دشمن اچانک لشکر اسلام کو اپنے دروازے پر کھڑا پاتا۔ اپنی نقل و حرکت سے دشمن کو بے خبر رکھنے کیلئے آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے پیچیدہ اور حتیٰ کہ بعض اوقات دشمن کو اپنے ارادوں سے متعلق کنفیوز کرنے کیلئے مخالف راستوں کا انتخاب فرمایا۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی چھ بڑی مہمات میں دشمن آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی افواج دیکھ کر مکمل طور پر حیران تھا۔[15]

---

[15] محمد حسین ہیکل، حیاتِ محمدؐ

غزوات اور اخلاقی قواعد وضوابط:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غزوات میں اخلاقی اقدار پہ مبنی ضوابط متعارف کروائے

ظالمانہ طریقوں اذیت دینے سے منع فرمایا

عورتوں، بچوں، ضعیفوں اور غلاموں کو قتل کرنے سے منع فرمایا

جنگی قیدیوں حتیٰ جانوروں کو بھی جلانے سے منع فرمایا

فصلیں اجاڑنے اور بلاوجہ درخت کاٹنے سے منع فرمایا

سیرت نبوی میں ہم کو یہ اصول واضح طور پر نظر آتا ہے کہ

''وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ''

"اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں (ہاں) مگر حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"

تو یہ تمام ایسی چیزیں ہیں جن سے ہمیں اسلام میں انسانی عظمت اور وقار کا اندازہ ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اسلام دفاعی جنگ کی اجازت ضرور دیتا ہے لیکن اس میں بھی دشمن کے ساتھ زیادتی (حد سے تجاوز) کا قائل نہیں۔

غزوات میں صلہ رحمی کا تصور:

صلہ رحمی ایک ایسا عنصر ہے جسے اسلام میں باقاعدہ ضابطے کی حیثیت حاصل ہے اور جو نہ صرف ہمیں غزواتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نمایاں نظر آتا ہے بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پوری حیات طیبہ صلہ رحمی کی عظیم امثال سے مزین ہے "غزوہ حنین میں 6000 اسیر انِ

جنگ کو محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے صرف بطورِ احسان بلا فدیہ رہا فرمایا بلکہ رہائی کے وقت تمام قیدیوں کو ایک ایک چادر بطورِ ہدیہ عطا فرمائی[16]"

آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے غزوات میں بھی احترامِ آدمیت کی تعلیم دی یعنی اگر آپ دشمن سے برسرِ پیکار ہوں تب بھی یہ اجازت نہیں کہ آپ دشمن کی تذلیل کریں

غزوات سے سیکھنا:

غزواتِ النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے رہنما اصول ایک بحرِ بے کراں ہے، دشمن سے نمٹنے کا بہتر طریقہ ہمیں غزوات سے نصیب ہوتا ہے۔ ایمان، رضائے الٰہی، محبت واطاعتِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)، ایثار و قربانی، رہبریت کا کردار، اتحاد، وفاداری اور ہمت، ثابت قدمی، اخلاص و استقامت،، نظم و ضبط، مشاورت اور مساوات علیٰ ھذا القیاس۔ غزوات النبی ایک مینارہِ نور ہیں۔

---

[16] ڈاکٹر مقبول احمد مکی، غزوات

امیر المومنینؑ کی مبارزاتی سیرت:

امیر المومنینؑ کی مبارزاتی سیرت کا ایک پہلو تو وہ ہے جو مسلحانہ جنگوں کہ اندر رہا ہے اور وہ بالوسطہ طور پر غزواۃ النبی کے عنوان میں آچکا ہے، ایک دوسرا پہلو جو کہ تمام آئمہ معصومینؑ کی حیات مبارکہ کا حصہ رہا وہ نظریاتی، سیاسی و ثقافتی میدان میں طواغیت سے مبارزہ ہے۔ رسول اللہ کو جو دشمن ملے ان مشرک تھے یا کافر تھے یا منافق تھے جو کہ چھپے ہوئے نہیں تھے مگر امیر المومنینؑ اور آئمہ اطہارؑ کو جن سے مبارزہ کرنا تھا وہ ۳ طبقات تھے (۱) وہ طاغوتی حکام و نظام جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے (۲) وہ عامۃ المسلمین جو بے شعوری کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے (۳) وہ مومنین جو مصلحت یا بے بصیرتی یا جہالت کی وجہ سے نصرت کے لیے آمادہ نہ تھے۔

آج بھی ان ۴ طبقات سے کفار و مشرکین اور مذکورہ بالا ۳ طبقات سے اہل ایمان کا سامنا ہے، ان کے مقابل درست روش اپنانے کے لیے سیرت کے مبارزاتی گوشے سے ہی ہدایت کو لیا جاسکتا ہے۔ مختلف کتابوں کے متعدد ابواب میں موجود سینکڑوں روایات ہر غیر جانبدار محقق و قاری کے لیے واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ رسول اللہ کے حقیقی جانشین بطور حاکمِ مسلمین آئمہ اطہارؑ ہیں اور امت کے لیے رسول اللہ کا مقرر کردہ واحد نظام ولایت و امامت ہے۔ یہی نظام انسان کی دنیوی سعادت اور آخروی نجابت و نجات کا ذریعہ ہے۔ اس کے قیام کی راہ میں حائل روکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے، حکومتِ اسلامی کے قیام، نظامِ امامت کے نفاذ کے لیے آئمہ اطہارؑ نے اپنی پوری زندگیاں وقف کیں اور ہر لمحہ ہر سرگرمی کا مقصد و غرض و غایت یہی تھی کیونکہ دین کا تحفظ اور دین

کی اشاعت حکومتِ اسلامی کے قیام کے ذریعے ہی کماحقہٗ ممکن ہو سکتی ہے۔ آئمہ اطہارؑ نے اپنی تمام تر زندگیاں اپنے مقابل آنے والے طبقات کے خلاف مبارزے میں بسر کیں۔[17]

اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے کہ امام زین العابدینؑ سے امام حسن عسکریؑ تک آئمہ اطہارؑ نے فقط احکام و معارف کی تبلیغ اور گوشہ نشینی اور اظہارِ کرامات کرتے زندگیاں گزاری ہیں اور حکومتِ اسلامی کے قیام، نظامِ امامت کے نفاذ، طواغیت اور معاندین سے کوئی مبارزہ نہیں کیا تو یقینی طور پر اس تک درست سیرت نہیں پہنچی یا اس نے اس کے مطالعے کا حق ادا نہیں کیا۔ اسلام و قرآن اور انکی ترجمانی میں مکتبِ تشیعُ جس امامت کا قائل ہے یہ ایک ناممکن سا امر ہے۔[18]

اگر خدانخواستہ آئمہ اطہارؑ سے ایک بھی جملہ مبارزاتی نہ ملتا ہوتا تب بھی فلسفۂ امامت اور اصولِ قرآنی کی بنیاد پہ تقاضۂ ایمان یہی ہے کہ آدمؑ یا خاتم ﷺ کے اوصیائے صادق آئمہ اہل بیتؑ کے لیے لازم تھا کہ وہ اقامتِ دین کے لیے مبارزہ کریں۔ ناممکنات میں سے ہے کہ وہ حضراتؑ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور فقط درس و تدریس کا عمل انجام دیتے رہیں۔ یہاں ہم کو یہ بات جان لینا چاہیے کہ وقت کے تقاضوں اور بدلتی صورتحال کے پیشِ نظر جہاد و مبارزہ کی صورتیں سیاسی، ثقافتی، علمی، مسلحانہ، خفیہ طریق پہ جہاد و مبارزہ ہو سکتا ہے۔

---

[17] پیشوائے صادق

[18] ۲۵۰ سالہ انسان

دعوتِ نصرت:

رسول اللہ کی رحلت کے بعد ابتدائی طور پر امیر المومنینؑ نے کوشش کی کہ امت جس انحراف کا شکار ہو رہی ہے اس سے باز آجائے اور لوگوں کو راتوں میں گھروں پہ دعوتِ نصرت دی۔ سیدہ فاطمہؑ کا مدینہ کی خواتین اور دربارِ حکومت میں دیا گے خطبات اس مبارزے کا اظہر من الشمس ثبوت ہیں۔ لیکن جب امت بلکل آمادہ نہ ہوئی، حکومتِ وقت کا جابرانہ رویہ بھی سامنے آچکا تھا اور امت کے بکھرنے کا اندیشہ سامنے آیا تو آپ نے ایک جدید روشِ مبارزہ اپنائی اور معاشرے کا بائیکاٹ کر دیا۔

"مجھے قیام سے نہ بزدلی نے روکا ہے اور نہ موت کی ناپسندیدگی نے بلکہ اگر کسی چیز نے روکے رکھا تو وہ میرے بھائی (نبی خدا) سے کیا ہوا عہد و پیمان تھا کہ جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر انصار ملیں تو قیام کرنا ورنہ ہاتھ روکے رکھنا"[19]

امیر المومنینؑ خود فرماتے ہیں کہ فامسکت یدی میں نے اپنے ہاتھ ان سے ہٹا لیے۔ جب مولائے کائنات سے اشعث بن قیس نے سوال کیا کہ آپ نے اپنا حق لینے میں تلوار کا سہارا کیوں نہیں لیا؟ تو فرمایا:" اے اشعث! دیکھو میرے سامنے چھ انبیاء کے نمونے موجود ہیں؛ جناب نوح، لوط، ابراہیم، موسیٰ، ہارون اور پیغمبر اکرم صلوات اللہ علیہم اجمعین کہ جنہوں نے صرف اسی لیے قوم کی سرکشی اور طغیانیوں کے خلاف قیام نہیں کیا تھا کہ ان کے پاس ساتھیوں اور ناصروں کی کمی تھی ورنہ ہم بندگان خدا کو موت سے کوئی باک

---

19 بحارالانوار ۲۹۴۱۹، مجلسی

نہیں ہے کہ ہم موت کے خوف سے قیام سے گریز کریں بلکہ وجہ یہی تھی کہ میرے ساتھیوں کی تعداد کھانے میں نمک اور آنکھ میں سرمے کے برابر تھی۔"[20]

لیکن چونکہ زمامِ امت ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آچکی تھی کہ امت میں مزید انتشار اور بگاڑ ظاہر ہونا شروع ہوگے اس وقت آپؑ نے امور میں مداخلت کو ضروری سمجھا کیونکہ یہاں پہلی ترجیح امت کو دین کی اساس پہ باقی رکھنا تھا۔ حیات اسلام کے روز اول سے پیغمبر اسلام (ص) کی رحلت تک اسلام کے لیے آپ (ع) کے ایثار اور جانفشانیوں کے درخشاں نقوش یہ بات پوری طرح روشن و واضح کر دیتے ہیں کہ آپ (ع) پیغمبر اسلام کی حیات میں سب سے زیادہ با نفوذ شخصیت کے مالک تھے۔اس کے باوجود دوسرے افراد جو ان فضائل کے حامل نہ تھے مختلف طریقوں سے برسراقتدار آگئے، ان لوگوں نے امام علیہ السلام پر عرصہ کار و عرصہ حیات تنگ کرکے اپنی مخصوص سیاسی چالوں کے ذریعے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا، مسلحانہ مخالفت اور جبری بیعت کی کوشش میں ناکامی کے بعد جب امام علیؑ نے معاشرے کا بائیکاٹ کر دیا تو موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک نئی سازش مرتب ہوئی اس سلسلے میں انکی سب سے نمایاں مہم یہ تھی کے مولا علی علیہ السلام کی ممتاز اور بے داغ حیثیت و شخصیت کو اسلام کے جواں سال معاشرے میں مٹا کر رکھ دیں اور انہوں نے تمام تر وسائل کو

---

[20] منہاج البراعہ، علي وزمامداران

بروئے کار لاتے ہوئے حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت کو ضعیف و گوشہ نشین کرنا چاہتے تھے۔ اسی لیے آپؑ نے فرمایا کہ ''یا ابن الام ان القوم استضعفوانی و کادوا ان یقتلوننی''[21]

دوسری جانب جب عرب کے گوشہ و کنار سے اسلام مخالف آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں تو اسلام کی بقا کی خاطر اور سازشوں کو ناکام کرنے کے لیے آپ نے جدید روش مبارزہ اختیار کی اب خلفاء امام علی سے مشورے طلب کیا کرتے تھے تو آپ جہاں راہنمائی لازم دیکھتے تھے وہاں مشورے دیا کرتے تھے اور معاشرے کو اسلام کے اصولوں سے منحرف نہیں ہونے دیا کرتے تھے۔ امام صادقؑ سے جب کسی نے سوال کیا کہ امیر المومنینؑ نے مسلحانہ قیام نہیں کیا تو فرمایا کہ :''اندیشہ تھا کہ کہیں لوگ کفر کی طرف پلٹ نہ جائیں''[22] لیکن ساتھ ہی جہاں ان سے مختلف موقعوں پر مدد طلب کی جاتی تھی اور وہ امر مولا (ع) کی نظر میں صحیح نہیں ہوتا تھا تو مدد کرنے سے گریز کرتے تھے اور اسی بابت آپ کی ذات کو تہمتوں کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ مختلف مواقع پہ واشگاف لفظوں میں اپنی اختلاف رائے اور اپنے اعتراضات و احتجاجات کو بیان کیا[23]

خلیفہ سوم سے آپ کے تعلقات کشیدہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی۔ یہ باتیں سبب بنیں کہ اسلامی معاشرہ میں حضرت علی علیہ السلام کی شخصیت واپس ابھر کر

---

[21] منہاج البراعہ ۹۱۵۲، نہج الصباغہ ۴۳۶۷

[22] بحار الانوار ۴۴۵،۲۹

[23] فروغ ولایت ۱۶۱

آنے لگی اور اس طرح امت کو اساسِ اسلام سے روگردانی سے بچاتے ہوئے، مخالفین کی اس سازش کا توڑ بھی کیا۔اب شخصیتِ علیؑ لوگوں کی نگاہوں کو اپنی طرف جذب کرے اور لوگ دوبارہ آپ کو اسلام کے نجات بخش اسرار و علوم کا گنجینہ سمجھنے لگیں۔سیاسی نقطہ نظر سے بھی معاشرے کے آگاہ و دیدہ ور افراد نے جو موجودہ سیاست کو اسلامی مصالح کیخلاف دیکھ رہے تھے، مولا علی علیہ السلام کی ذات کو اگلی مستحق خلافت کی حیثیت سے نظر میں رکھ لیا۔معاشرے کے عام افراد بھی معاشرے میں رائج حاکمیت کو دینی و سیاسی اعتبار سے اپنے اغراض و مقاصد کے خلاف دیکھ رہے تھے اور مولا علی علیہ السلام کی طرف مائل ہو رہے تھے یہی وہ وجوہات تھیں کہ خلیفہ سوم کے بعد لوگ حضرت علی علیہ السلام کو مسند حکومت پر متمکن کرنے کیلئے آپ کے گھر پر جمع ہوگئے تھے اور اس بار گزشتہ روش کے برخلاف کہ خلفاء پہلے حکومت پر براجمان ہوتے تھے اور عوام بعد میں انکی بیعت کیا کرتے تھے۔اب پہلے لوگوں نے مولا علی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس کے بعد مولائے کائنات نے حاکمِ اسلامی کی حیثیت سے حکومت کی زمام اپنے ہاتھوں میں لی۔

سیرتِ سیدہ فاطمہؑ:

بعد از رسول اللہ حالات کی سختی کے پیشِ نظر جب امت نے امام کو تنہا کر دیا تو بنتِ رسول نے ایک پیروکار اور مدافعہِ ولایت و امامت کی حیثیت سے، پاسداریِ دین کی ذمہ داری نبھاتے ہوئے جہاد و مقاومت کا ایک نیا باب رقم کیا۔ جو آپؑ سے قبل ہم کو تاریخ میں کہیں اور اتنی مبین صورت میں نظر نہیں آتا۔ جیسے ہی طاغوتی نظام کی پہلی اینٹ رکھی گی بنت رسول ایک مجاہدانہ انداز سے بڑھ کر اسکو للکارتی ہیں اور عامۃ المسلمین میں ایک تحریکِ بیداری کا آغاز کرتی ہیں۔ آپؑ کی دوررس نگاہوں نے اس انجام کو دیکھ لیا تھا جو صدیوں تک اس انحراف کے نتیجے میں واقع ہوتا اور دینِ خاتم کے زوال اور امت کی تنزلی کا سبب بننے والا تھا۔ اس لیے تمام تر تقدس کے باوجود انتہائی خطرات مول لیتے ہوئے زہرا اطہرؑ میدان میں آتی ہیں۔ اس عظیم المرتیب اور نمونہِ عمل مبارزے میں اتنے پہلو اور اسباق ہیں کہ راہیانِ ولایت اگر اگلے ۱۴۰۰ سال بھی شبانہ روز اس پہ تحقیق کرتے رہیں تو بھی ممکن ہے کہ احاطہ نہ کر پائیں۔

وہ اہل ایمان جو اقامتِ نظامِ ولایت اور احیائے اسلامِ نابِ محمدی اپنا واجبِ اول سمجھتے ہیں ان کے لیے مبارزہِ فاطمیہ ہر زمانے کے مشعلِ راہ ہے اور رہے گا۔ حضرت فاطمہؑ کی مختصر زندگی میں مختلف معاشرتی سرگرمیوں کے علاوہ سیاسی موقف بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہجرت مدینہ، جنگ احد، جنگ خندق کے موقع پر زخمیوں کی دیکھ بھال، مجاہدین تک جنگی سازو سامان کی

ترسیل اور فتح مکہ کے موقع پر آپ کی موجودگی سماجی سرگرمیوں میں سے ہیں لیکن آپ کے سیاسی موقف کا اظہار پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے بعد دیکھنے کو ملتا ہے۔

جیسے ہی حکومتِ وقت نے امامت کو معطل کرنے کی سازش کو قوی کرنے لے لیے اور مزاحمت کے امکانات کی روک تھام کے لیے اقتصادی ناکہ بندی کرنے کی کوشش کی گی۔ایک نشست میں عمر نے کہا: اے خلیفہ! آپ جانتے ہیں کہ لوگ دنیا پرست ہیں اور سب مال و ثروت سے محبت کرتے ہیں آپ کو چاہیۓ کہ آپ فاطمہ(س) سے فدک کو لے لیں تاکہ لوگ اس خاندان سے دور ہوجائیں۔[24]

خلیفہ نے کہا: لیکن فدک فاطمہ(س) کا حق ہے اور سارے لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ تین سال سے فدک ان کے اختیار میں ہے۔عمر نے کہا: میں نے ان سب چیزوں کے بارے میں سوچ لیا ہے صرف آپ فاطمہ(س) کے نمائندوں کو وہاں سے نکال دیجیۓ، خلیفہ نے عمر کے مشورہ پر کچھ لوگوں کو بھیجا تاکہ حضرت فاطمہ(س) کے نمائندہ کو فدک سے ہٹادیا جائے[25] اور اس سلسلے میں فدک کو ریاستی تحویل میں لے لیا۔سیدہؑ نے اس فرصت کا استفادہ کرتے ہوئے ومکروومکر اللہ کے اصول کے تحت اسی کو اپنی مزاحمت کی بنیاد بنالیا۔چونکہ اس بات کی امید تو کی جاسکتی تھی کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ آکر اس مسئلے پہ بات کریں گے مگر جب اچانک سیدہؑ نے اظہارِ وجود کیاتو یہ ان کے لیے تاریخ کی سب سے بڑی مشکل بن گی۔

---

[24] محمد باقر مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۹۔ مستدرک الوسائل، ج۷

[25] الاحتجاج، ج۱، ص ۱۲۲ ، محمد باقر مجلسی، بحار الأنوار، ج۲۹

مبارزہ فاطمیہ جسکا آغاز رحلتِ رسول اللہ کے ساتھ ہی ہو گیا تھا، اس میں سب سے اول نقطہ احساسِ مسئولیت ہے۔ اقامتِ نظامِ ولایت اور احیائے اسلامِ نابِ محمدی کی نسبت شدید اور محرکانہ احساسِ مسئولیت۔

(۱) حکومتِ وقت کے جابرانہ اقدامات کے خلاف آواز بلند کرنا

ام المومنین عائشہؓ سے روایت ھے کہ سیدہؑ نے کسی کو بھیج کر خلیفہ سے پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی میراث کا مطالبہ کیا جس میں مدینہ میں موجود پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام ملکیتوں کے علاوہ فدک اور خیبر کے باقی ماندہ خمس کا مطالبہ کیا تھا، تو خلیفہ نے کھا کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایاھے: ھم کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہیں بلکہ ھم جو چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ھے اور بیشک آل محمد (علیهم السلام) اس مال سے کچھ نہیں کھاسکتے ہیں- اور (خداکی قسم) میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صدقات میں سے کسی چیز کو تبدیل نہیں کرسکتا ھوں بلکہ وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں جس طرح تھے ان کو اسی طرح رھنے دوں گا اور اس کا وہی مصرف کروں گا جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا کرتے تھے- فدک کو دوبارہ اپنی ملکیت میں واپس لانے کیلئے آپ نے ابو بکر کے ساتھ گفتگو کی ابو بکر نے جب دیکھا کہ آپؑ کے پاس کافی دلائل و شواہد ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ یہ باغ

آپؐ کی ملکیت ہے[26] تو ابو بکر نے ایک سند تحریر کی جس میں لکھا کہ فدک حضرت فاطمہؑ کی ملکیت ہے۔جب عمر بن خطاب اس سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے اس تحریر کو حضرت فاطمہؑ کے دست مبارک سے چھین کر اسے پھاڑ دیا۔[27] خواص جانتے تھے کہ فدک غصب کر کے انہوں نے جو اقدام کیاہے، سیدہؑ نے اسکو فرصت بنا کر قیام کر دیاہے اور اگر یہاں کمزوری سکھائی گئ تو مبارزہِ فاطمیہ انکی حکومت کو مٹا سکتا ہے۔ اہل سنے عالم ابن ابی الحدید معتزلی نے ایک بار اپنے استاد سے پوچھا کہ کیا فاطمہؑ سچ نہیں بولتی تھیں؟ استاد مسکرائے اور سوال کی تعریف کی اور کہا اگر اس دن فدک فاطمہؑ کو دیدیا جاتا تو اس کے بعد وہ اپنے شوہر کی حکومت کا ادعا کرتیں اور اس وقت ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا تھا، اسی لئے ان کے دعوائے فدک کو قبول نہیں کیا گیا۔[28]

(۲)عامۃ المسلمین کو بیدار کرنے کی کوشش

سیدہؑ نے اکتفانہ کیا بلکہ ایک نئے مبارزے کی داغ بیل ڈالتے ہوئے عامۃ المسلمین کی بیداری کے لیے اقدامات شروع کر دیے۔ اس وقت کا سب سے موثر میڈیا مسجدِ نبوی تھا۔سیدہؑ نے اہتمام کیا اور جب مسجد میں عامۃ المسلمین کا رش تھا تو باقاعدہ اہتمام سے مسجد میں داخل ہوئیں اور عامۃ المسلمین اور حکومت کو مخاطب کیا اور عامۃ المسلمین کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں آپؐ کا وہ تاریخی

---

[26] سیوطی، الدر المنثور، 1404ھ، ج3، ص290

[27] مفید، الاختصاص، 1414ھ، ص184و185؛ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، 1400ھ، ج3، ص488۔

[28] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۶، ص ۲۸۴۔

خطبہ جو کہ خطبہِ فاطمیہ و خطبہِ فدکیہ کے نام سے معروف ہے تاریخ میں محفوظ ہے۔ ان حالات کے پیش نظر رسول کی بیٹی نے مسجد کی عمومی فضا میں مسلمانوں کے درمیان اپنی شکایت کو پیش کیا اور خطبہ دیا تا کہ اس کے ذریعے لوگوں کو جھنجھوڑا جائے اور وہ راہ راست کو اختیار کریں۔حضرت فاطمہؑ قریش کی خواتین کے حلقہ میں مسجد کی طرف روانہ ہوئیں ۔لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہؑ مسجد کی طرف جاتے ہوئے قدم بہ قدم اپنے باپ کی طرح جارہی تھیں۔ابو بکر مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں موجود تھا۔فاطمہؑ اور مردوں کے درمیان ایک چادر لٹکا دی گئی۔رسول کی دختر نے گریہ کیا اس گریے نے اہل مجلس کے دل ہلا کر رکھ دیے اور سب رونے لگے، پھر آپ نے خطبہ دیا۔[29]

جس تحریکِ بیداری کا آغاز سیدہؑ نے مطالبہِ فدک سے کیا تھا، اس کے اہداف اور آپؑ کی مبارزاتی روش کا کھل کر اظہار اس خطبے میں ہوتا ہے۔ حکومتِ وقت کو للکارتے ہوئے آپؑ نے عامۃ المسلمین سے خطاب کیا اور فرمایا۔۔۔ اَیھَا النّاسُ! اِعْلَمُوا اَنّی فاطِمَۃُ وَ اَبی مُحَمّدٌ، اَقُولُ عَوْداً وَبَدْءاً، وَلا اَقُولُ ما اَقُولُ غَلَطاً، وَلا اَفْعَلُ ما اَفْعَلُ شَطَطاً، لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزيزٌ عَلَيهِ ما عَنِتُّمْ حَريصٌ عَلَيكُمْ بِالْمُؤْمِنينَ رَؤُوفٌ رَحيمٌ. فَاِنْ تَعْزُوهُ وَتَعْرِفُوهُ تَجِدُوهُ اَبی دُونَ نِسائِكُمْ، وَ اَخَا ابْنِ عَمّی دُونَ رِجالِكُمْ، وَلَنِعْمَ الْمَعْزِیُ اِلَيهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيهِ وَ الِهِ. فَبَلَّغَ الرِّسالَةَ صادِعاً بِالنِّذارَةِ، مائِلاً عَنْ

[29] شہیدی، زندگانی فاطمہ زہرا علیہا السلام

مَدْرَجَةِ الْمُشْرِكِينَ، ضارِباً ثَبَجَهُمْ، اخِذاً بِاَكْظامِهِمْ، داعِياً اِلى سَبيلِ رَبِّهِ بِالْحِكْمَةِ والْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ، يَجُفُّ الْاَصْنامَ وَيَنْكُثُ الْهامَّ، حَتَّى انْهَزَمَ الْجَمْعُ وَوَلَّوُا الدُّبُرَ.

اے لوگو! جان لو میں فاطمہ ہوں اور میرے باپ محمدؐ ہیں، اب میں تمہیں ابتداء سے آخر تک کے واقعات اور امور سے آگاہ کرتی ہوں تمہیں علم ہونا چاہیئے میں جھوٹ نہیں بولتی اور گناہ کا ارتکاب نہیں کرتی۔ اللہ تعالی نے تمہارے لئے پیغمبرؐ جو تم میں سے تھا بھیجا ہے تمہاری تکلیف سے اسے تکلیف ہوتی تھی اور وہ تم سے محبت کرتے تھے اور مومنین کے حق میں مہربان اور دل سوز تھے۔ لوگو وہ پیغمبر میرے باپ تھے نہ تمہاری عورت کے باپ، میرے شوہر کے چچازاد بھائی تھے نہ تمہارے مردوں کے بھائی، کتنی عمدہ محمدؐ سے نسبت ہے۔ جناب محمدؐ نے اپنی رسالت کو انجام دیا اور مشرکوں کی راہ وروش پر حملہ آور ہوئے اور ان کی پشت پر سخت ضرب وارد کی ان کا گلا پکڑا اور دانائی اور نصیحت سے خدا کی طرف دعوت دی، بتوں کو توڑا اور ان کے سروں کو سرنگوں کیا کفار نے شکست کھائی اور شکست کھا کر بھاگے۔

مزید حالات کو دوٹوک انداز میں واضح کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا۔۔۔ فَلَمّا اِخْتارَ اللّٰهُ لِنَبِيِّهِ دارَ اَنْبِيائِهِ وَمَأْوى اَصْفِيائِهِ، ظَهَرَ فيكُمْ حَسْكَةُ النِّفاقِ، وَسَمَلَ جِلْبابُ الدّينِ، وَنَطَقَ كاظِمُ الْغاوينَ، وَنَبَغَ خامِلُ الْاَقَلّينَ، وَهَدَرَ فَنيقُ الْمُبْطِلينَ، فَخَطَرَ فى عَرَصاتِكُمْ، وَاَطْلَعَ الشَّيْطانُ رَأْسَهُ مِنْ مَغْرَزِهِ، هاتِفاً بِكُمْ، فَأَلْفاكُمْ لِدَعْوَتِهِ مُسْتَجيبينَ، وَلِلْغِرَّةِ فيهِ مُلاحِظينَ، ثُمَّ اسْتَنْهَضَكُمْ فَوَجَدَكُمْ خِفافاً، وَاَحْمَشَكُمْ فَاَلْفاكُمْ غِضاباً، فَوَسَمْتُمْ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو دوسرے

پیغمبروں کی جگہ کی طرف منتقل کیا تو تمہارے اندرونی کینے اور دوروئی ظاہر ہوگئی دین کا لباس کہنہ ہوگیا اور گمراہ لوگ باتیں کرنے لگے، پست لوگوں نے سر اٹھایا اور باطل کا اونٹ آواز دیتے لگا اور اپنی دم ہلانے لگا اور شیطان نے اپنا سر کمین گاہ سے باہر نکالا اور تمہیں اس نے اپنی طرف دعوت دی اور تم نے بغیر سوچے اس کی دعوت قبول کرلی اور اس کا احترام کیا تمہیں اس نے ابھارا اور تم حرکت میں آگئے اس نے تمہیں غضبناک ہونے کا حکم دیا اور تم غضبناک ہوگئے۔۔۔

مصلحت اور حالات کا بہانہ کرنے والوں سے فرمایاوَ الرَّسُولُ لَمَّا یقْبَرْ، اِبْتِدارًأَزَعَمْتُمْ خَوفَ الْفِتْنَۃِ، اَلاَفِی الْفِتْنَۃِ سَقَطُوا، وَاِنَّ جَھَنَّمَ لَمُحیطَۃٌ بِالْکافِرِینَ. ابھی پیغمبرؐ کو دفن بھی نہیں کیا تھا کہ تم نے فتنے کے خوف کے بہانے سے خلافت پر قبضہ کرلیا، لیکن خبردار رہو کہ تم فتنے میں داخل ہوچکے ہو اور دوزخ نے کافروں کا احاطہ کر رکھا ہے۔

(۳)امت کو دعوتِ غیرت ونصرت

ا مَعْشَرَ النَّقیبَۃِ وَ اَعْضادَ الْمِلَّۃِ وَ حَضَنَۃَ الْاِسْلامِ! ما ھذِہِ الْغَمیزَۃُ فی حَقّی وَ السِّنَۃُ عَنْ ظُلامَتی؟ اَما کانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ الِہِ اَبی یقُولُ: «اَلْمَرْءُ یحْفَظُ فی وُلْدِہِ» ، سَرْعانَ ما اَحْدَثْتُمْ وَ عَجْلانَ ذا اِھالَۃٍ، وَ لَکُمْ طاقَۃٌ بِما اُحاوِلُ، وَ قُوَّۃٌ عَلی ما اَطْلُبُ وَ اُزاوِلُ. اَتَقُولُونَ ماتَ مُحَمَّدٌ؟ فَخَطْبٌ جَلیلٌ اِسْتَوْسَعَ وَھْنُہُ، وَاسْتَنْھَرَ فَتْقُہُ، وَ انْفَتَقَ رَتْقُہُ، وَ اُظْلِمَتِ الْاَرْضُ لِغَیبَتِہِ، وَ کُسِفَتِ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ انْتَثَرَتِ النُّجُومُ لِمُصیبَتِہِ، وَ اَکْدَتِ الْآمالُ، وَ خَشَعَتِ الْجِبالُ، وَ

اُضیعَ الْحَریمُ ، وَ اُزیلَتِ الْحُرْمَةُ عِنْدَ مَماتِهِ. فَتِلْكَ وَاللّٰهِ النّازِلَةُ الْكُبْری وَ الْمُصیبَةُ الْعُظْمی، لامِثْلُها نازِلَةٌ، وَلابائِقَةٌ عاجِلَةٌ اُعْلِنَ بِها ، كِتابُ اللّٰهِ جَلَّ ثَناؤُهُ فی اَفْنِیَتِكُمْ ، وَ فی مُمْساكُمْ وَ مُصْبِحِكُمْ ، يهْتِفُ فی اَفْنِیَتِكُمْ هُتافاً وَصُراخاً وَتِلاوَةً وَ اَلْحاناً ، وَ لَقَبْلَهُ ما حَلَّ بِاَنْبیاءِ اللّٰهِ وَ رُسُلِهِ، حُكْمٌ فَصْلٌ وَ قَضاءٌ حَتْمٌ . «وَما مُحَمَّدٌ اِلاّ رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ ماتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلی اَعْقابِكُمْ وَمَنْ ينْقَلِبْ عَلی عَقِبَیهِ فَلَنْ يضُرَّ اللّٰهَ شَیئاً وَسَیجْزِی اللّٰهُ شَیئاً وَ سَیجْزِی اللّٰهُ الشّاكِرینَ»

اے ملت کے مددگار جوانو اور اسلام کی مدد کرنے والو کیوں حق کے ثابت کرنے میں سستی کر رہے ہو اور جو ظلم مجھ پر ہوا ہے اس سے خواب غفلت میں ہو؟ کیا میرے والد نے نہیں فرمایا کہ کسی کا احترام اس کی اولاد میں بھی محفوظ ہوتا ہے یعنی اس کے احترام کی وجہ سے اس کی اولاد کا احترام کیا کرو؟ کتنا جلدی فتنہ برپا کیا ہے تم نے؟ اور کتنی جلدی ہوی اور ہوس میں مبتلا ہوگئے ہو؟ تم اس ظلم کے ہٹانے میں جو مجھ پر ہوا ہے قدرت رکھتے ہو اور میرے مدعا اور خواستہ کے برلانے پر طاقت رکھتے ہو۔

کیا کہتے ہو کہ محمدؐ مرگئے؟ جی ہاں لیکن یہ ایک بہت بڑی مصیبت ہے کہ ہر روز اس کا شگاف بڑھ رہا ہے اور اس کا خلل زیادہ ہو رہا ہے۔ آنجنابؐ کی غیبت سے زمین تاریک ہوگئی ہے سورج اور چاند بے رونق ہوگئے ہیں آپ کی مصیبت پر ستارے تتربتر ہوگئے

ہیں، امیدیں ٹوٹ گئیں، پہاڑ متزلزل اور ریزہ ریزہ ہوگئے ہیں پیغمبرؐ کے احترام کی رعایت نہیں کی گئی،

قسم خدا کی یہ ایک بہت بڑی مصیبت تھی کہ جس کی مثال ابھی تک دیکھی نہیں گئی اللہ کی کتاب جو صبح اور شام کو پڑھی جا رہی ہے آپ کی اس مصیبت کی خبر دیتی ہے کہ پیغمبرؐ بھی عام لوگوں کی طرح مریں گے، قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ اور حضرت محمدؐ نہیں ہیں مگر پیغمبر جن سے پہلے تمام پیغمبر گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں (راہ ونظامِ رسول اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ جاہلیت کی راہ پہ) پلٹ جاؤگے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھرے گا تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور عنقریب خدا شکرگزار بندوں کو جزا دے گا۔

ثم عطفت علی قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ، و قالت

قَدْ کانَ بَعْدَكَ اَنْباءٌ وَهَنْبَثَةٌ، لَوْ کُنْتَ شاهِدَها لَمْ تَکْثِرِ الْخُطَبُ، اِنّا فَقَدْناكَ فَقْدَ الْاَرْضِ وابِلَها، وَ اخْتَلَّ قَوْمُكَ فاشْهَدْهُمْ وَلاتَغِبْ، وَكُلُّ اَهْلٍ لَهُ قُرْبی وَمَنْزِلَةٌ، عِنْدَ الْاِلٰهِ عَلَی الْاَدْنَینِ مُقْتَرِبُ، اَبْدَتْ رِجالٌ لَنا نَجْوی صُدُورِهِمْ، لَمّا مَضَیتَ وَحالَتْ دُونَكَ التُّرْبُ تَجَهَّمَتْنا رِجالٌ وَاسْتُخِفَّ بِنا، لَمّا فُقِدْتَ وَكُلُّ الْاِرْثِ مُغْتَصَبُ، وَکُنْتَ بَدْراً وَنُوراً یسْتَضاءُ بِهِ، عَلَیكَ تُنْزِلُ مِنْ ذِی الْعِزَّةِ الْکُتُبُ، وَکانَ

جِبْرِيلُ بِالْآياتِ يؤْنِسُنا ، فَقَدْ فُقِدْتَ وَ كُلُّ الْخَيرِ مُحْتَجَبُ ، فَلَيتَ قَبْلَكَ كانَ الْمَوْتُ صادِفُنا ، لَمّا مَضَيتَ وَحالَتْ دُونَكَ الْكُتُبُ۔

بابا آپؐ کے بعد بڑی نئی نئی خبریں اور مصیبتیں سامنے آئیں کہ اگر آپ سامنے ہوتے تو مصائب کی یہ کثرت نہ ہوتی۔ ہم نے آپ کو ویسے ہی کھو دیا جیسے زمین ابر کرم سے محروم ہو جائے۔ اور اب آپ کی قوم بالکل ہی منحرف ہو گئی ہے۔ ذرا آپ آکر دیکھ تو لیں دنیا کا جو خاندان خدا کی نگاہ میں قرب و منزلت رکھتا ہے وہ دوسروں کی نگاہ میں محترم ہو تا ہے مگر ہمارا کوئی احترام نہیں ہے کچھ لوگوں نے اپنے دل کے کینوں کا اس وقت اظہار کیا جب آپ اس دنیا سے چلے گئے اور میرے اورآپ کے درمیان خاک قبر حائل ہو گئی۔ لوگوں نے ہمارے اوپر ہجوم کر لیااور آپ کے بعد ہم کو بے قدر و قیمت سمجھ کر ہماری میراث کو ہضم کر لیا۔ آپ کی حیثیت ایک بدر کامل اور نور مجسم کی تھی جس سے روشنی حاصل کی جاتی تھی اور اس پر ربِّ عزت کے پیغامات نازل ہوتے تھے۔ جبریل آیات الٰہی سے ہمارے لئے سامان انس فراہم کرتے تھے مگر آپ کیا گئے کہ ساری نیکیاں پس پردہ چلی گئیں۔ کاش مجھے آپ سے پہلے موت آگئی ہوتی اور میں آپ کے اور اپنے درمیان خاک کے حائل ہونے سے پہلے مر گئی ہوتی۔[30]

اسی طرح مدینہ کی خواتین کو بلا کر خطبہ دیااور ان خطرات سے آگاہ کیاجو نظامِ ولایت کو ترک کرنے کے نتیجے میں امت سے مستقبل میں دیکھنے تھے۔ اس طرح سیدہؑ نے عامۃ المسلمین میں بیداری پیدا

---

30. شرح نہج البلاغۃ لابن أبي الحدید، ج :16، ص:211-249، بحار الأنوار، ج:43، ص:148

کرنے کی کوشش کی مگر جب انقلابِ نبوی سے انقلابِ عقبی کی جانب پلٹے اور پلٹانے والے اپنے ارادوں سے باز نہ آئے تو آپؑ نے اس تحریک کو ابدیت عطا کرتے ہوئے لاتعلقی اور بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

ولایت فراموشوں کا بائیکاٹ:

اس سلسلے میں سیدہِ انقلابؑ نے چند نمایاں اقدامات کیے اور اس طرح سے کیے کہ انکو تاریخ سے فراموش نہ کیا جاسکے اور ہر نسل کے باشعور لوگوں کے اذہان کے لیے وہ سوال بن کر روشن ہو جائیں۔

(ا) عوام اور خواص سے ناراضگی کا اظہار، حتٰی جب ابو بکرؓ و عمرؓ معافی کے لیے آئے تو پہلے آپ نے ملاقات سے انکار کر دیا اور جب اصرار پر گھر میں داخل ہونے دیا گیا تو بھی حضرت فاطمہؑ نے پیغمبر اکرمؐ کی مشہور حدیث جس میں پیغمبر اکرمؐ نے اپنی خوشنودی کو حضرت فاطمہؑ کی خوشنودی قرار دیا تھا؛ کا حوالہ دیتے ہوئے ان دونوں سے اپنی نارضایتی کا اعلان کیا اور ان کے سلام کا جواب تک نہ دیا۔[31] بعض مورخین کے مطابق حضرت فاطمہؑ نے ہر نماز کے بعد ان دونوں سے اظہار برأت کی قسم کھائی۔[32]

[31] ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ، 1413ھ / 1371 شمسی، ج1، ص31۔

[32] اعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام، 1412ھ / 1991م، ج4،

(۲)حضرت فاطمہؑ نے یہ وصیت فرما دی کہ میں ہرگز ان سے راضی نہیں ہوں جنہوں نے مجھ پر ظلم و ستم کیا اور میری ناراضگی کا باعث بنے وہ میرے جنازے میں شرکت نہ کریں یا میری نماز جنازہ نہ پڑھائے۔

(۳)آپؑ نے وصیت کی تھی کہ آپؑ کو مخفیانہ طور پر شب کی تاریکی میں دفن کیا جائے اور آپؑ کی قبر مبارک کو بھی مخفی رکھا جائے۔[33] حضرت فاطمہؑ کی طرف سے مخفیانہ دفن کرنے اور اپنی جائے دفن کو مخفی رکھنے کی وصیت کو ہر نسل کے طاغوت اور طواغیت کو قبول کرنے والوں کے خلاف آپ کا آخری سیاسی ومبارزاتی اقدام قرار دیاجاسکتا ہے۔

سیرتِ امام حسنؑ:

جیسے ہی امام حسنؑ کی امامت کا آغاز ہوا تو امامؑ کے ارد گرد ایسے لوگوں کا مجمع تھا جن کے متعلق امیر المومنینؑ پہلے ہی فرما چکے تھے کہ تم لوگوں نے میرا دل پیپ سے بھر دیا ہے۔ ان لوگوں کو ہم چند اقسام یا عنواین میں تقسیم کر سکتے ہیں

(۱)سست

(۲)متضاد تفکر

(۳)بدعھد

33 صدوق، علل الشرایع، 1385ھ، ج1، ص185؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، 1376ھ، ج3،

(۴)جاہ طلب و خائن

(۵)امام فراموش

(۶)امام کُش

کلماتِ امام حسنؑ:

مجھے اطلاع ملی ہے کہ معاویہ کو معلوم ہو گان ہے کہ ہم اس کی طرف چل پڑے ہں۱۔وہ بھی ہماری طرف آیا ہے۔خدا تمہیں معاف فرمائے۔تمام کے تمام فوجی چھاؤنی نخیلہ کی طرف چل پڑوتا کہ سوچں‌لک کہ کار کاخ جائے۔ راوی کہتا ہے کہ امام یہ کلمات فرمارہے تھے اور ساتھ لوگوں سے دھوکہ کی بھی فکر تھی کیونکہ انہوں نے جہاد سے سستی کی تھی[34]

معاویہ ہمیں اس کام کی طرف بلا رہا ہے جس میں عزت نہیں ہے۔اب اگر تم موت کے لیے تیار ہو تو اس پر حملہ کردیتے ہیں اور تلوار کی ضربوں کے ساتھ اس پر حکم چلاتے ہیں اور اگر زندگی چاہتے ہو تو اس کی دعوت کو قبول کرلیتے ہیں اور اس کی درخواست پر راضی ہوجاتے ہیں۔ ابھی امام کی گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں، ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں۔[35]

---

[34] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، صحیفۂ امام حسنؑ

[35] اعلام الدین، دیلمی۔ بحار، ج۴۴، ص۵۰

معاویہ بن صخر خیال کرتا ہے کہ میں اسے خلافت کے لائق اور اپنے آپ کو اس کے اہل نہیں جانتا۔ پس معاویہ جھوٹ بولتا ہے۔ خدا کی قسم! ہم کتابِ خدا میں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان میں سب لوگوں سے افضل ہیں۔ مگر یہ کہ ہم اہل بیت، وفاتِ پیغمبر سے لے کر اب تک حالت خوف و ہراس میں ہیں اور مظلوم ہیں، اور ہمارا حق ضائع ہوا ہے۔

خدا ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے جنہوں نے ہمارے حق کو ضائع کیا اور ہم پر مسلط ہوئے، اور لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکایا، اور ہمارا حصہ جو غنیمت اور بغیر جنگ کے مال ملتا تھا، اور جس کا قرآن میں تذکرہ ہے، ہم سے روک دیا، اور ہماری والدہ کی
وراثت (جاگیر فدک) ہمارے والد سے لے لی۔ ہم کسی کا نام نہیں لیتے لیکن میں خدا کی مضبوط قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ لوگ خدا اور اس کے رسول کی بات کو غور سے سنتے تو آسمان ان پر بارش برساتا اور زمین ان کو اپنی برکتیں عطا کرتی، اور کبھی دو تلواریں آپس میں نہ ٹکراتیں، اور لوگ آرام وخوشی کے ساتھ زندگی بسر کرتے، اور اس وقت تو بھی اس خلافت کی طمع نہ کرتا۔ لیکن جب لوگوں نے حکمِ خدا کو پیچھے چھوڑ دیا اور اسے جڑ سے اکھیڑ کر پیچھے رکھ دیا تو قریش نے خلافت میں جھگڑا شروع کر دیا، اور اسے ایک گیند کی طرح ایک دوسرے کی طرف پھینکنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ تو اور تیرے بعد تیرے ساتھی اس لالچ و طمع میں پڑ گئے۔ [36]

جب امام پر زہر آلود خنجر کے ساتھ حملہ کیا گیا تو آپ اُس جگہ کی طرف چلے گئے جس کا نام (بطن جریح) ہے اور اس جگہ مختار کے چچا کی حکومت تھی۔ مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی نے اپنے عمو سے کہا کہ آؤ اور حسن بن علی علیہما السلام کو پکڑ کر معاویہ کے حوالے کر دیں۔ جب شیعوں کو مختار کے ارادے

[36] بحار الانوار، ج۱۰، ص۱۳۸۔ مجلسی باقر

کا پتہ چلا تو اُسے قتل کرنا چاہا۔ مختار کے چچا نے کہا کہ اسے معاف کر دو تو انہوں نے معاف کر دیا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: تم پر ہلاکت ہو۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ معاویہ نے میرے قتل کے بارے میں جو تم سے وعدہ کیا ہے، وہ کبھی پورا نہ کرے گا، اور میں جانتا ہوں کہ اگر اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دوں اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دوں تو وہ مجھے اپنے نانا کے دین پر بھی نہیں رہنے دے گا۔ میں تو اکیلا بھی خدا کی عبادت کر سکتا ہوں۔[37]

بعض لوگ فرزند پیغمبر کو (معاذ اللہ) کافر کہنے لگے اور جراح ابن سَنان تو قتل کے ارادے سے امام (ع) کی طرف لپکا اور چلّا کر بولا، اے حسن (ع) تم بھی اپنے باپ کی طرح مشرک ہو گئے۔ (معاذ اللہ) اس کے بعد اس نے حضرت کی ران پر وار کیا اور آپ (ع) زخم کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے ، امام حسن (ع) کو لوگ فوراً مدائن کے گورنر سعد ابن مسعود ثقفی کے گھر لے گئے اور وہاں کچھ دنوں تک آپ کا علاج ہوتا رہا۔[38]

اس ساری صورتحال میں امام حسن ابن علی علیہما السلام نے اپنے ارد گرد موجود منافقین اور شام کے تخت پہ براجمان طاغوت کے خلاف مبارزہ کی پالیسی اپنائی اور دوررس نتائج کو دیکھتے ہوئے اپنے مبارزے کو ترتیب دیا۔ اتنی پیچیدہ صورتحال میں جب مجبوری اپنی انتہا پہ تھی، ایسی مبارزاتی روش اپنائی جو کہ ان پیچیدہ صورتحال میں بھی نہایت کامیاب رہی۔

---

[37] علل الشرائع، ج۱، ص ۲۲۰ شیخ صدوق

[38] الارشاد، مفید، تاریخ یعقوبی

صلح: امامؑ کے مذکورہ بالا کلام کے نمونوں سے واضح ہے کہ امام حسنؑ صلح نہیں کرنا چاہتے تھے مگر مسلمانوں کی بے بصیرتی کی وجہ سے آخر کار امامؑ کو طاغوتِ شام معاویہ ابن ابی سفیان کے ساتھ ناچار صلح کرنا پڑی۔ مرحوم شیخ آل یسین نے لکھا ہے کہ 'اس وقت امامؑ اگر قیام کرتے تو شہادت کا امکان ہی نہیں تھا کیونکہ ہر مقتول شہید نہیں کہلاتا بلکہ کچھ شرائط اور صورتحال کے تحت اگر کوئی مارا جائے تو وہ شہید کہلاتا ہے، اگر امامؑ اس موقع پہ قتل کر دیے جاتے یا اسیر ہو جاتے تو تاریخ میں وظیفہ خور مورخین کوئی اور ہی صورتحال بنا کر پیش کرتے' اس لیے امامؑ نے دوررس نتائج کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مصلحت کی۔ امام حسنؑ اگر اس وقت صلح نہ کرتے تو خاندانِ رسالت کے تمام افراد کو بے دردی سے خاموشی کے ساتھ شہید کر دیا جاتا، تاکہ وہ اسلامِ نابِ محمدی ﷺ کی اقدار کی حفاظت کر سکیں۔[39]

طویل المدت پلان:

امامؑ نے جب صلح کی تو اس وقت بے بصیرت اور محض جذباتی لوگوں کا ایک گروہ آپکی اہانت پہ اتر آیا اور آپکو شدید طنز کا سامنا کرنا پڑا مگر وہاں امام حسنؑ نے ان سب کو اپنی طویل المدت منصوبہ بندی کی جانب متوجہ کیا، جیسا کہ آپؑ کا وہ معروف جملہ ہے ما تدری لعل ۃ فتنۃ لکم و متاع الی حین

تاریخ میں ہے کہ جب صلح کے آغاز ہی میں مسیب ابن نجبہ اور سلیمان ابن صرد امامؑ کے پاس آئے تو آپؑ نے ان سے تنہائی میں گفتگو کی اور وہاں سے رخصت ہونے کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ موجود مسلح افراد کو رخصت کر دیا۔ مصری مورخ طٰہٰ حسین لکھتا ہے کہ یہاں سے تشیعُ کی عالمی زیرِ زمین تحریک کا آغاز ہو جاتا ہے۔

---

39 آل یسین شیخ، صلح امام حسنؑ مترجم امام سید علی خامنہ ای، ۲۵۰ سالہ انسان ص ۱۳۷

سیرتِ امام حسینؑ:

امام حسینؑ نے امام حسنؑ کی شہادت کے بعد آپکی کی گی صلح کی حتیٰ الامکان پاسداری کی مگر طاغوت شام جسکا صلح کی شرائط کی پاسداری کا کبھی کوئی ارادہ ہی نہیں تھا۔ جب اس نے اپنے مظالم کو مزید پھیلانا شروع کیا تو امام حسینؑ نے اسکا مقابلہ اور اس سے مبارزہ شروع کیا۔

اسلامِ حسینی کا تعارف:

اسلامِ حسینی جو کہ دراصل اسلامِ نابِ محمدی ہی ہے قدرت کا مظہر ہونے کے حوالے سے درپیش خطرات سے نپٹنے کے لیے جو اسکو ابتدائی یا بعد کے زمانوں میں درپیش ہوں ایک واضح منصوبہ اور پلان رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دفاعی و مبارزاتی حکمتِ عملی وحی کے طور پر نازل فرمائی ہے۔ جیسا کہ ایک صحیح و سالم بدن جس کی تخلیق کے ساتھ ہی خالقِ کائنات نے اس بدن میں مدافعاتی نظام بھی خلق فرمایا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے خطرات ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کو ۲ طرح کے خطرات کا سامنا تھا، ہے اور رہے گا (۱) اندرونی (۲) بیرونی

بیرونی خطرات سے مراد وہ دشمن ہیں جو کہ اسلام کی فکری و نظریاتی سرحدوں سے باہر ہوں اگرچہ جعرافیائی سرحدوں کے اندر ہی کیوں نہ ہوں۔ مگر اسلام کے نظام اور اسلامی تفکر کے مخالف ہوں۔

اندرونی خطرات سے مراد وہ لوگ اور انکی مذموم سرگرمیاں ہیں جو کسی نظام کے اندر رہتے ہوں مگر اکتا جانے، ہوا و ہوس کے غلبے، لالچ و غیرہم کی وجہ سے اسلامی نظام کی بیخ کنی کی مذموم کوشش میں لگ جائیں۔ ان دونوں کے مقابل اللہ تعالیٰ نے جہاد و مبارزہ کا حکم دیا ہے جاھدِ الکفار و المنافقین۔

اسلامی نظامِ حکومت کی تشکیل کو ابھی ۶۰ سال ہی ہونے کو آئے تھے، مشکلات اور سختیوں کا زمانہ گزر چکا تھا، بعد از رسول اللہ فتوحات کے نتیجے میں خوب مال غنیمت حاصل ہو گیا تھا، اسلام جس نے ۶۰ سال قبل اشرافیت کا خاتمہ کیا تھا اب اسی کے نام کے ساتھ مسلم معاشرے میں جدید اشرافیت پیدا ہونا شروع ہو چکی تھی۔ ایسے لوگ بھی تھے جنکے والدین نسبتِ صحابیت رکھتے تھے مگر اسلامؐ کے اصولوں کے برخلاف ناشائستہ حرکتوں میں ملوث ہونے لگے تھے۔ ایک طبقاتی معاشرہ وجود میں آچکا تھا۔ اسی معاشرے میں ایک شخص کا انتقال ہوتا ہے اور اسکی میراث میں سے جب سونے کو تقسیم کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ سونا اس قدر زیادہ مقدار میں تھا کہ اس سونے کو سنگِ مثقال کی جگہ کلہاڑیوں سے کاٹا گیا۔ ایسی صورتحال میں امام حسینؑ معاشرے کو مزید اور دائمی بربادی سے بچانے اور حقیقی اسلام کے تحفظ کے لیے میدانِ مبارزہ سجاتے ہیں۔

امام اور معاویہ کے درمیان ہونے والے بعض رابطے اور گفتگو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں امام حسینؑ نے معاویہ کی حکومت کو سیاسی طور پر قبول نہیں کیا تھا اور اس کے سامنے تسلیم نہیں ہوئے تھے۔ معاویہ نے جب حجرؓ بن عدی، عمروؓ بن حمق خزاعی اور عبداللہؓ بن یحیی حضرمی جیسی شخصیات کے قتل پر امام حسینؑ نے شدید اعتراض کیا۔ اور بہت ساری تاریخی منابع کے مطابق آپ نے معاویہ کو خط لکھا اور علیؑ کے دستوں کو قتل کرنے کی مذمت کی اور معاویہ کے بعض برے کاموں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کو محکوم کیا اور کہا: میں اپنے اور اپنے دین کے بارے میں تمہارے ساتھ جہاد سے بالاتر کوئی اور چیز نہیں جانتا ہوں۔ اس خط میں مزید لکھا: اس امت پر تمہاری حکومت سے زیادہ بڑے فتنے کا

مجھے علم نہیں ہے۔[40] جب حج کے سفر میں معاویہ کا امامؑ سے آمنا سامنا ہوا تو اس نے کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ حُجر اور اس کے دوست اور تمہارے والد کے شیعوں کے ساتھ ہم نے کیا کیا ہے؟ امام نے فرمایا: کیا کیا ہے؟ معاویہ نے کہا: انہیں قتل کیا، کفن دیا، ان پر نماز پڑھی اور دفن کردیا۔ امام نے فرمایا: لیکن اگر ہم تمہارے اصحاب کو قتل کریں تو انہیں نہ کفن دینگے، **نہ ان پر نماز پڑھیں گے اور نہ ہی انہیں دفنائیں گے۔**[41]

سنہ 56ھ کو معاویہ نے امام حسنؑ سے کئے ہوئے صلح نامے میں مذکور،(اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین نہیں بنائے گا) قرارد داد کے برخلاف یزید کو اپنا جانشین بنادیا۔

امام حسینؑ سمیت بعض شخصیات نے اس کی بیعت سے انکار کردیا۔ امام حسینؑ نے ایک مجلس میں جہاں معاویہ، ابن عباس اور بعض اموی درباریوں کی موجودگی میں معاویہ کی ملامت کی اور یزید کی نااہلی اور ہوس بازیوں کی یاد آوری کرائی اور اس کو یزید کی ولی عہدی کا اعلان کرنے سے متنبہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ امام حسینؑ نے اپنے مقام اور حق کو بیان کرتے ہوئے یزید کی بیعت کے لیے معاویہ کی طرف سے پیش کی جانے والی دلایل کو رد کیا۔

روشِ مبارزاتیِ امام حسینؑ:

(ا)طاغوت کے چہرے کو آشکار کرنا اور حقائق پیش کرتے ہوئے امت میں بیداری ایجاد کرنا

58ہجری میں معاویہ کی طرف سے شیعیوں پر ظلم وستم اپنے عروج پر پہچا ہوا تھا اور اس وقت کی سیاسی اور سماجی حالات نہایت پیچیدہ اور مکدر تھی۔ امام (ع) نے ایک مناسب اور حساس موقع پر اسلام کے مختلف مذہبی شخصیات، بنی ہاشم، صحابہ، مہاجرین و انصار کے مرد اور خواتین میں سے

---

40 دینوری، الاخبار الطوال، 1368، ص224-225؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج5، ص120-121؛ ابن قتیبہ، الامامہ والسیاسہ، ج1، ص202-204، ابن سعد، الطبقات الکبری

41 طبرسی، الاحتجاج، 1403، یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، دار الصادر، ج2،

تقریباً200 چیدہ چیدہ افراد کو مدعو کیا اور ایک مجلس تشکیل دیا۔ ان افراد کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ انہیں پیغمبر اکرم (ص) کو درک کرنے کا موقع ملا تھا اسے کے علاوہ صحابہ اور تابعین میں سے تقریباً800 سے زیادہ افراد اس مجلس میں شامل تھے۔ امام حسینؑ نے طاغوتِ شام کی حکومت کے خلاف حج کے موسم میں منیٰ میں اس مدعو مجلسِ اکابرین کے سامنے یہ یہ خطبہ دیا۔ جس میں امام (ع) نے معاویہ کی حکومت کے خلاف انکشافات کئے۔

عْتَبرُوا اَیّہا النّاس بما وَعَظَ اللّٰہ بہ اَوْلیائَہ منْ سوءِ ثَنائہ عَلیٰ الاَحْبار اذْ یَقوْل: لَوْلا یَنْہاہم الرَّبّانیّوْنَ وَالاَحْبار عَنْ قَوْلِہم الاثْمَ وَقالَ: لعنَ الّذیْنَ کَفَروْا منْ بَنی اسْرائیْلَ - الیٰ قَوْلہ - لَبئْسَ ما کانوْا یَفْعَلوْنَ

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کی سرزنش کر کے اپنے اولیاء کو جو نصیحت کی ہے، اس سے عبرت حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہودی علما اور دینی رہنما انہیں گناہ آلود باتوں اور حرام خوری سے کیوں نہیں روکتے؟ اور فرمایا: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، انہیں لعن اور نفرین کی گئی ہے۔

ثمّ اَنْتمْ أیّتہا الْعصابَۃ عصابَۃٌ بالْعلْم مَشْہوْرَۃٌ وَبالْخَیْر مَذْکوْرَۃٌ وَبالنّصیحَۃ مَعْروْفَۃٌ وَباللّٰہ فی اَنْفس النّاس مَہابَۃٌ یَہابکم الشّریف وَیکْرمکم الضّعیف وَیؤْثرکمْ مَنْ لا فَضْلَ لکمْ عَلَیْہ وَلا یَدَ لکمْ عنْدَہ تشفّعوْنَ فی الْحَوائج اذا امْتنعَتْ منْ طلّابہا وَتَمْشوْنَ فی الطّریْق بہَیْبَۃ الْملوْک وَکَرامَۃ الْاَکابر ۔ اَلَیْسَ کلّ ذلکَ انّما نلْتموہ بما یرْجیٰ عنْدَکمْ منَ الْقیام بحَقّ اللّٰہ وَانْ کنْتمْ عَنْ اَکْثَر حَقّہ تقصّروْنَ فَاسْتَخْفَفْتمْ بحَقّ الْاَئمّۃ فَاَمّا حَقّ الضّعَفاء فَضَیّعْتمْ وَاَمّا حَقّکمْ بزَعْمکمْ فَطَلَبْتمْ فَلا مالاً بَذَلْتموہ وَلا نَفْساً خاطَرْتمْ بہا للّذی خَلَقَہا وَلا عَشیْرَۃً عادَیْتموْہا فی ذات اللّٰہ

أَنْتُمْ تَتَمَنَّوْنَ عَلَى اللّٰہِ جَنَّتَہٗ وَمُجَاوَرَۃَ رَسُلِہٖ وَأَمَانًا مِنْ عَذَابِہٖ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلَیْکُمْ اے وہ گروہ جو علم وفضل کے لئے مشہور ہے، جس کا ذکر نیکی اور بھلائی کے ساتھ کیا جاتا ہے، وعظ و نصیحت کے سلسلے میں آپ کی شہرت ہے اور اللہ والے ہونے کی بنا پر لوگوں کے دلوں پر آپ کی ہیبت و جلال ہے ، یہاں تک کہ طاقتور آپ سے خائف ہے اور ضعیف وناتواں آپ کا احترام کرتا ہے، حتیٰ وہ شخص بھی خود پر آپ کو ترجیح دیتا ہے جس کے مقابلے میں آپ کو کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی آپ اس پر قدرت رکھتے ہیں۔ جب حاجت مندوں کے سوال رد ہو جاتے ہیں تو اس وقت آپ ہی کی سفارش کارآمد ہوتی ہے آپ کو وہ عزت و احترام حاصل ہے کہ گلی کوچوں میں آپ کا گزر بادشاہوں کے سے جاہ وجلال اور اعیان واشراف کی سی عظمت کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ سب عزت و احترام صرف اس لئے ہے کہ آپ سے توقع کی جاتی ہے کہ آپ الٰہی احکام کا اجراء کریں گے، اگرچہ اس سلسلے میں آپ کی کوتاہیاں بہت زیادہ ہیں۔ آپ نے امت کے حقوق کو نظر انداز کر دیا ہے، معاشرے کے کمزور اور بے بس افراد کے حق کو ضائع کر دیا ہے اور جس چیز کو اپنے خیال خام میں اپنا حق سمجھتے تھے اسے حاصل کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ نہ اس کے لئے کوئی مالی قربانی دی اور نہ اپنے خالق کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی اور نہ اللہ کی خاطر کسی قوم وقبیلے کا مقابلہ کیا۔ اسکے باوجود آپ جنت میں رسول اللہ کی ہم نشینی اور اللہ کے عذاب سے امان کے متمنی ہیں، حالانکہ مجھے تو یہ خوف ہے کہ کہیں اللہ کا عذاب آپ پر نازل نہ ہو

وَقَدْ تَرَوْنَ عُهُوْدَ اللّٰہِ مَنْقُوْضَةً فَلَا تَفْزَعُوْنَ وَأَنْتُمْ لِبَعْضِ ذِمَمِ آبَائِکُمْ تَفْزَعُوْنَ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَخْفُوْرَةٌ مَحْقُوْرَةٌ وَالْعُمْیُ وَالْبُکْمُ وَالزَّمْنٰی فِی الْمَدَائِنِ مُهْمَلَةٌ لَا تَرْحَمُوْنَ وَلَا فِیْ مَنْزِلَتِکُمْ تَعْمَلُوْنَ وَلَا مَنْ عَمِلَ فِیْهَا تُعِیْنُوْنَ۔ وَبِالْاِدْهَانِ وَالْمُصَانَعَةِ عِنْدَ الظَّلَمَةِ تَأْمَنُوْنَ کُلُّ ذٰلِکَ مِمَّا أَمَرَکُمُ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ

النّهْيِ وَالتّناهي وَ أَنْتُمْ عَنْهُ غافلونَ وَ أَنْتُمْ أَعْظَمُ النّاسِ مصيبَةً لما غلبْتُمْ عَلَيْهِ منْ مَنازِلِ الْعلماء لَوْ كنْتُمْ تَشعُرونَ ذلكَ بأَنّ مجاري الامورِ وَ الاحْكامِ عَلى أَيدي الْعلماء بالله الامَناء عَلى حلالِه وَحَرامِه فَأَنْتُم الْمَسلوبونَ تلكَ الْمَنْزلَة وَما سلبْتمْ ذلكَ الّا بتفرّقكمْ عَنِ الحقّ وَ اختلافكمْ في السّنّة بَعْدَ الْبيّنَة الْواضحَة وَلَوْ صَبَرْتمْ عَلى الاذى وَتحمّلتمْ الْمَؤونَة في ذات الله كانَتْ امورُ الله عَلَيْكمْ تَردُ وَعَنْكمْ تَصْدُرُ وَ اليْكمْ تَرْجعُ وَلكنّكمْ مَكّنْتُم الظّلَمَة منْ مَنْزلتكمْ وَ اسْتَسلَمتم امورَ الله في أَيْديهِمْ يَعْمَلونَ بالشّبهات وَيَسيرونَ في الشّهَوات سَلّطَهمْ عَلى ذلكَ فرارُكمْ منَ الْمَوت وَاعْجابكمْ بالْحيات الّتي هي مفارقتكمْ فأَسْلَمْتمْ الضعفاء في أَيْديهِمْ فَمنْ بَيْنِ مسْتَعْبَدٍ مَقْهورٍ وَبَيْنِ مسْتَضْعَفٍ عَلى مَعيشته مَغْلوبٍ يَتَقَلّبونَ في الْملْك بآرائهمْ وَيَسْتَشْعرونَ الْخزْيَ بأَهْوائهمْ اقْتداءً بالاشْرارِ وَجرْأَةً عَلى الجبّار في كلّ بَلَدٍ منهمْ عَلى منْبَره خَطيبٌ مصْقَعٌ فَالارْض لَهمْ شاغرَةٌ وَأَيديهمْ فيها مَبْسوطَةٌ وَالنّاس لَهمْ خَوَلٌ لايَدْفَعونَ يَدَ لامسٍ فَمنْ بَيْنِ جبّارٍ عَنيدٍ وَذي سَطْوَةٍ عَلى الضّعَفَة شَديدٍ مطاعٍ لايَعْرفُ الْمبْدء المعيدَ فَيا عَجَباً وَمالي لاأَعْجَب وَالأَرْض منْ غاشٍّ غَشومٍ وَمتَصَدّقٍ ظلومٍ وعاملٍ عَلى المؤمنينَ بهمْ غَيْر رَحيمٍ ، فَالله الحاكم فيما فيه تَنازَعْنا وَالقاضي بحكْمه فيما شجَرَ بَيْنَنا ـ اَللّهمّ انّكَ تَعْلَم انّه لَمْ يَكنْ ما كانَ منّا تَنافساً في سلْطانٍ وَلاالْتماساً منْ فضول الْحطام ولكنْ لنريَ الْمَعالمَ منْ دينكَ وَنظْهرَ الاصْلاحَ في بلادكَ وَيَأْمَنَ الْمَظْلومونَ منْ عبادكَ وَيعْمَلَ بفَرائضكَ وَسنَنكَ وَأَحْكامكَ فَانّكمْ انْ لاتَنْصرونا وَتنْصفونا قَويَ الظّلَمَة عَلَيْكمْ وَعَملوا في اطْفاء نورِ نَبيّكم وَحَسْبنا اللّه وَعَلَيْه تَوَكّلْنا وَاليْه أَنَبْنا وَاليْه الْمَصير

آپ دیکھتے رہتے ہیں کہ اللہ سے کئے ہوئے عہد وپیمان کو توڑا جارہا ہے، اسکے باوجود آپ خوفزدہ نہیں ہوتے، اس کے برخلاف اپنے آباؤاجداد کے بعض عہد وپیمان ٹوٹتے دیکھ کر آپ لرزاٹھتے ہیں، جبکہ

رسول اللہ کے عہد وپیمان انظر انداز ہو رہے ہیں اور کوئی پروا نہیں کی جارہی۔ اندھے، گونگے اور اپاہج شہروں میں لاوارث پڑے ہیں اور کوئی ان پر رحم نہیں کرتا۔ آپ لوگ نہ تو خود اپنا کردار ادا کر رہے ہیں اور نہ ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو کچھ کر رہے ہیں۔ آپ لوگوں نے خوشامد اور چاپلوسی کے ذریعے اپنے آپ کو ظالموں کے ظلم سے بچایا ہوا ہے جبکہ خدا نے اس سے منع کیا ہے اور ایک دوسرے کو بھیمنع کرنے کے لئے کہا ہے۔ اور آپ ان تمام احکام کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔

آپ پر آنے والی مصیبت دوسرے لوگوں پر آنے والی مصیبت سے کہیں بڑی مصیبت ہے، اس لئے کہ اگر آپ سمجھیں تو علما کے اعلیٰ مقام و منزلت سے آپ کو محروم کر دیا گیا ہے، کیونکہ مملکت کے نظم و نسق کی ذمہ داری علمائے الٰہی کے سپرد ہونی چاہیے، جو اللہ کے حلال و حرام کے امانت دار ہیں۔ اور اس مقام و منزلت کے چھین لئے جانے کا سبب یہ ہے کہ آپ حق سے دور ہو گئے ہیں اور واضح دلائل کے باوجود سنت کے بارے میں اختلاف کا شکار ہیں۔

اگر آپ اذیت و آزار جھیلنے اور اللہ کی راہ میں مشکلات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوتے تو احکام الٰہی اجراء کے لئے آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے، آپ ہی سے صادر ہوتے اور معاملات میں آپ ہی سے رجوع کیا جاتا لیکن آپ نے ظالموں اور جابروں کو یہ موقع دیا کہ وہ آپ سے یہ مقام و منزلت چھین لیں اور اللہ کے حکم سے چلنے والے امور وہ امور جن میں حکم الٰہی کی پابندی ضروری تھی اپنے کنٹرول میں لے لیں تاکہ اپنے اندازوں اور وہم و خیال کے مطابق فیصلے کریں اور اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کریں۔

وہ حکومت پر قبضہ کرنے میں اس لئے کامیاب ہو گئے کیونکہ آپ موت سے ڈر کر بھاگنے والے تھے اور اس فانی اور عارضی دنیا کی محبت میں گرفتار تھے۔ پھر آپ کی یہ کمزوریاں سبب بنیں کہ ضعیف

اور کمزور لوگ ان کے چنگل میں پھنس گئے اور نتیجہ یہ ہے کہ کچھ تو غلاموں کی طرح کچل دیئے گئے اور کچھ مصیبت کے ماروں کی مانند اپنی معیشت کے ہاتھوں بے بس ہو گئے۔ حکام اپنی حکومتوں میں خودسری، آمریت اور استبداد کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں ذلت وخواری کا سبب بنتے ہیں، بدقماش افراد کی پیروی کرتے ہیں اور پروردگار کے مقابلے میں گستاخی دکھاتے ہیں۔

ہر شہر میں ان کا ایک ماہر خطیب منبر پر بیٹھا ہے۔ زمین میں ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے اور ان کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں یعنی جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں عوام ان کے غلام بن گئے ہیں اور اپنے دفاع سے عاجز ہیں۔ حکام میں سے کوئی حاکم تو ظالم، جابر اور دشمنی اور عناد رکھنے والا ہے اور کوئی کمزوروں کو سختی سے کچل دینے والا، ان ہی کا حکم چلتا ہے جبکہ یہ نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ روز جزا کو۔

تعجب ہے اور کیوں تعجب نہ ہو! ملک ایک دھوکے باز ستم کار کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے مالیاتی عہدیدار ظالم ہیں اور صوبوں میں اسکے مقرر کردہ گورنر مومنوں کے لئے سنگ دل اور بے رحم۔ آخر کار اللہ ہی ان امور کے بارے میں فیصلہ کرے گا جن کے بارے میں ہمارے اور ان کے درمیان نزاع ہے اور وہی ہمارے اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلاف پر اپنا حکم صادر کرے گا۔

امام نے اپنے خطاب کا اختتام ان الفاظ پر فرمایا:

بارالہا! تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہماری جانب سے ہوا بنی امیہ اور معاویہ کی حکومت کی مخالفت میں وہ نہ تو حصول اقتدار کے سلسلے میں رسہ کشی ہے اور نہ ہی یہ مال دنیا کی افزوں طلبی کے لئے ہے بلکہ صرف اس لئے ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ تیرے دین کی نشانیوں کو آشکار کر دیں اور تیری مملکت میں اصلاح کریں، تیرے مظلوم بندوں کو امان میسر ہو اور جو فرائض، قوانین اور احکام تو نے معین کئے ہیں ان

پر عمل ہو۔ اب اگر آپ حضرات حاضرین نے ہماری مدد نہ کی اور ہمارے ساتھ انصاف نہ کیا تو ظالم آپ پر اور زیادہ چھا جائیں گے اور نور نبوت کو بجھانے میں اور زیادہ فعال ہو جائیں گے۔ ہمارے لئے تو بس خدا ہی کافی ہے، اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف ہماری توجہ ہے اور اسی کی جانب پلٹنا ہے۔

یہاں سے ہمیں امام حسینؑ کی روش کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ امام حسینؑ کے مبارزے اور قیام کا ہدف کیا تھا؟ کیونکہ تاریخ میں کلامِ امام حسینؑ سے استفادہ کرنے کے بجائے اپنی قیاس آرائیوں سے ہدفِ قیامِ امام حسینؑ کا تعین کرنے کی کوشش بارہا کی گی ہے جسکا اثر بھی ہوا کہ معاشرے کے لیے وہ ہدف مبہم ہو کر رہ گیا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امامؑ تو آئے ہی شہید ہونے کے لیے تھے جو کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ایک نہایت بے بنیاد اور لایعنی سی بات ہے کہ انسان بنا کسی وجہ کہ شہید ہو جائے، دوسرا ہدف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امامؑ کا مقصد فقط اقتدار کو یزید سے لے کر تشکیلِ حکومت تھا جس میں آپؑ ناکام ہو گے۔ یہ بھی کلامِ خدا اور سول اور کلامِ معصومینؑ کی روشنی میں دم کٹا موقف ہے۔

امام حسینؑ کے قیام کا ہدف کیا تھا اس کو اگر ہم مختصر طور پر بیان کرنا چاھیں تو قیامِ عاشورا کا ہدف ایک نہایت اہم واجب پر عمل کرنا تھا، جس کے ماحول امام حسینؑ کے زمانے میں آمادہ ہوا۔ وہ واجب فریضہ یہ تھا کہ جب افراد، معاشرہ، نظام اور حکومت دین کے راستے سے ہمہ گیر طور پر منحرف ہو جائیں جس سے تمام بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں اور سب نابود ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں معاشرے کو واپس دین کی راہ پہ لانا۔ انحرافی طبقات کو لگام دینا۔ منحرف معاشرے کو دوبارہ اسکی اصلی راہ پہ گامزن کرنے کا فریضہ حکومتِ اسلامی کی تشکیل سے کسی طور کم اہمیت کا حامل نہیں

ہے۔ بلکہ احتمال ہے کہ یہ کفار سے جہاد کرنے سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ فریضہ اور اسکی ادائیگی اسلام کی فنا یا بقا کی ضامن ہے۔ حکمران معاشرے کے بلند ترین منصب پہ متمکن ہوتا ہے جب وہ ایک گندی اور غلاظت بھری نالی میں تبدیل ہو جائے تو جو کچھ اس سے رستا ہے وہ معاشرے کی آخری سطح تک سرایت کر جاتا ہے اور جب معاشرہ بھی ان تمام غلاظتوں کو خاموشی سے جذب کر رہا ہو تو معاشرہ ایک زہریلی اور نجس زمین میں تبدیل ہو جاتا ہے جہاں حیات و ایمان دین و انسان سب کے لیے شدید خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ امام حسینؑ کے زمانے میں صورتحال اس حد تک بگڑ چکی تھی۔ اگرچہ خطرات درپیش تھے مگر یہ واجب اس پھول کی مانند ہے جو خطرات کے کانٹوں سے ہی مزین ہو گا۔

پس بطورِ خلاصہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام حسینؑ نے اس لیے قیام کیا تا کہ اسلامی معاشرے کی از سر نو تعمیر کی جا سکے اور اسلامی معاشرے کو اس نظام کی طرف پلٹایا جائے جس سے دوری کے نتیجے میں رفتہ رفتہ وہ اس پستی میں مبتلا ہو چکے تھے کہ ان پر یزیدیت مسلط ہو گی تھی اور وہ مطمئن حالت میں تھے۔ اس واجب کی ادائیگی کا نتیجہ ہر دو طرح سے نکل سکتا ہے (۱) تشکیلِ حکومتِ اسلامی کی صورت میں امام حسینؑ اس کے لیے بلکل تیار تھے (۲) شہادت کی صورت میں اور امام حسینؑ اس کے لیے بھی بلکل تیار تھے۔

تاریخ و کلامِ امام حسینؑ کی روشنی میں اس عظیم واجب کی ادائیگی ور مبارزے کی تشکیل میں امامؑ نے جو جو اہم روشیں اپنائیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔ (اگرچہ یہ مکمل نہیں ہیں لیکن یہ بنیادی اور نہایت واضح ہیں)

خواص کو بیدار کرنا

اس کا ذکر خطبہِ منیٰ کے اندر ہو چکا ہے۔

یزیدیت کو آشکار کرنا

فقد واللہ! أتانا مالا قوام لنا به! انظر أبا بكر أني أبايع ليزيد، ويزيد رجل فاسق، معلن الفسق، يشرب الخمر ويلعب بالكلاب والفهود، ويبغض بقية آل الرسول! لا والله! لا يكون ذلك أبدا.[42]

ایک اور جگہ دربارِ ولید میں فرمایا أيها الأمير! إنا أهل بيت النبوة، ومعدن الرسالة، ومختلف الملائكة، ومحل الرحمة، وبنا فتح الله وبنا ختم، ويزيد رجل فاسق، شارب خمر، قاتل النفس المحرمة، معلن بالفسق، ومثلي لا يبايع لمثله، ولكن نصبح وتصبحون، وننتظر وتنتظرون أينا أحق بالخلافة والبيعة.

ولید کے دربار سے آنے کے بعد اگلی صبح مروان امام حسینؑ سے ملا اور بیعت کی نصیحت کی تو آپ نے فرمایا کہ قال: إنا لله وإنا إليه راجعون، وعلى الاسلام السلام إذ قد بليت الأمة براع مثل يزيد

ہدف کی وضاحت

فقال محمد ابن حنفيه: أشير عليك أن تنجو نفسك عن يزيد بن معاوية وعن الأمصار [الأنصار] ما استطعت، وأن تبعث رسلك إلى الناس وتدعوهم إلى بيعتك. فقال له الحسين (عليه السلام): يا أخي! إلى أين أذهب. ثم قال: اخرج إلى مكة فإن اطمأنت بك الدار فذاك الذي تحب وأحب، وإن تكن الأخرى خرجت إلى بلاد اليمن، فإنهم أنصار جدك وأخيك وأبيك، وهم أرأف الناس، وأرقهم قلوبا، وأوسع الناس بلادا وأرجحهم عقولا، فإن اطمأنت بك أرض اليمن وإلا لحقت

---

[42] موسوعة كلمات الإمام الحسين (ع) – لجنة الحديث في معهد باقر العلوم (ع) – الصفحة .

بالرمال وشعوب الجبال، وصرت من بلد إلى بلد، لتنظر ما يؤول إليه أمر الناس، ويحكم بينك وبين القوم الفاسقين.

ثم دعا الحسين (عليه السلام) بدواة وبياض وكتب هذه الوصية لأخيه محمد:

بسم الله الرحمن الرحيم - هذا ما أوصى به الحسين بن علي بن أبي طالب إلى أخيه محمد المعروف بابن الحنفية: أن الحسين يشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، جاء بالحق من عند الحق، وأن الجنة والنار حق، وأن الساعة آتية لا ريب فيها، وأن الله يبعث من في القبور، وأني لم أخرج أشرا، ولا بطرا، ولا مفسدا، ولا ظالما، وإنما خرجت لطلب الاصلاح في أمة جدي (صلى الله عليه وآله)، أريد أن آمر بالمعروف وأنهى عن المنكر، وأسير بسيرة جدي وأبي علي بن أبي طالب (عليهما السلام)، فمن قبلني بقبول الحق فالله أولى بالحق، ومن رد علي هذا أصبر حتى يقضي الله بيني وبين القوم بالحق، وهو خير الحاكمين، وهذه وصيتي يا أخي إليك، وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب.

دعوتِ عام برائے قیام

کتب: أما بعد، فإن الله اصطفى محمدا (صلى الله عليه وآله) على خلقه، وأكرمه بنبوته، واختاره لرسالته، ثم قبضه الله إليه، وقد نصح لعباده، وبلغ ما أرسل به (صلى الله عليه وآله) وكنا أهله وأولياءه وأوصياءه وورثته، وأحق الناس بمقامه في الناس، فاستأثر علينا قومنا بذلك، فرضينا وكرهنا الفرقة وأحببنا العافية، ونحن نعلم أنا أحق بذلك الحق المستحق علينا ممن تولاه، وقد أحسنوا وأصلحوا وتحروا الحق، فرحمهم الله وغفر لنا ولهم. وقد بعثت رسولي إليكم بهذا

الكتاب، وأنا أدعوكم إلى كتاب الله وسنة نبيه (صلى الله عليه وآله)، فان السنة قد أميتت، وإن البدعة قد أحييت، وإن تسمعوا قولي وتطيعوا أمري أهدكم سبيل الرشاد، والسلام عليكم ورحمة الله.

اہل کوفہ کے نام خط میں فرمایا: بسم الله الرحمن الرحيم، من حسين بن علي، إلى الملأ من المؤمنين والمسلمين، أما بعد، فإن هانئا وسعيدا قدما علي بكتبكم - وكانا آخر من قدم علي من رسلكم -، وقد فهمت كل الذي اقتصصتم وذكرتم، ومقالة جلكم: إنه ليس علينا إمام فأقبل، لعل الله أن يجمعنا بك على الهدى والحق۔۔۔وقد بعثت إليكم أخي وابن عمي وثقتي من أهل بيتي وأمرته أن يكتب إلي بحالكم وأمركم ورأيكم۔۔۔ مزید فرمایا: فلعمري ما الإمام إلا العامل بالكتاب، والآخذ بالقسط، والدائن بالحق، والحابس نفسه على ذات الله، والسلام

مدینہ سے نکلتے وقت بنی ہاشم کے نام ایک مختصر خط تحریر فرمایا: بسم الله الرحمن الرحيم؛ من الحسين بن علي إلى بني هاشم، أما بعد، فإنه من ألحق [لحق] بي منكم استشهد، ومن تخلف لم يبلغ الفتح، والسلام.

دشمن کے منصوبوں کو ناکام بنانا

فقال له الحسين (عليه السلام): لان أقتل بمكان كذا وكذا أحب إلى أن تستحل بي يعني مكة

بے بصیرت ہمدردوں سے کنارہ کشی

عبد اللہ ابن عمر، عبد اللہ ابن عباس، عبد اللہ ابن جعفر، محمد حنفیہ اور اسی فکر کے لوگ جو امامؑ کی فکر کو سمجھ نہیں رہے تھے حالانکہ جید فقہا اور دین شناس تھے اور امامؑ کو صلح وصفائی، مصالحت اور راہِ فرار کے مشورے دے رہے تھے۔ امامؑ نے ان سب کا باری باری مکہ میں ہر ایک کے رویے کے مطابق جواب دیا اور سب سے رخصت لے لی کیونکہ یہ امامؑ کی راہ میں اپنی بے وقوفانہ ہمدردی سے روکاوٹیں ایجاد کر رہے تھے۔

دین محوری

یہ پوری نہضت اور تحریک دین کے تقاضوں اور اصولوں پہ تھی اور اسکا ایک ایک قدم دین کی خالص تعلیمات کے مطابق تھا، جسکا اظہار امام حسینؑ نے بارہا اپنے کلام میں کیا۔

قلتِ انصار کے ساتھ قیام

تاریخ کی گواہی کے مطابق زیادہ سے زیادہ ۱۲۸ انصار کے ہمراہ فرزندِ رسول اللہ نے مبارزہ کر کے ان تقوموللہ مثنی او فردی کے حکم پہ بطریق احسن عمل کیا۔

وقال: إني لا أعلم أصحابا أصح منكم ولا أعدل، ولا أفضل أهل بيت، فجزاكم الله عني خيرا، فهذا الليل قد أقبل فقوموا واتخذوه جملا، وليأخذ كل رجل منكم بيد صاحبه أو رجل من إخوتي وتفرقوا في سواد هذا الليل وذروني وهؤلاء القوم، فإنهم لا يطلبون غيري، ولو أصابوني وقدروا على قتلي لما طلبوكم

تحریک کو ابدیت عطا کرنا

هل من ناصر ینصرنا؟ هل من ذاب یذب عن حرم رسول اللہ؟ هل من موحد یخاف اللہ فینا؟ هل من مغیث یرجوا اللہ باغاثتنا؟ هل من معین یرجوا ما عند اللہ فی اعانتنا

ان شعار کے ساتھ امام حسینؑ نے اپنی تحریک کا پرچم آنے والی تمام حریت پسند نسلوں کو بڑھا دیا اور اس تحریک کو ابدیت عطا کر دی، جسکو عزاداری کی صورت میں بنتِ علیؑ اور باقی آئمہؑ نے مزید نظم و جاودانی عطا کی[43] اور ہمارے عصر میں اس پرچمِ احیائے دین و عَلَمِ نفاذِ نظامِ ولایت کو فرزندِ عاشورہ امام السید روح اللہ موسوی خمینیؒ نے پھر سے بلند کیا اور اس تحریک کو پہلا ثمر عطا کیا، اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اس پرچم کو اپنی اپنی سرزمینوں پہ بلند کریں اور زمین و زمان کو سماج کو طاغوییت کی نجاست سے آزاد کرتے ہوئے امامت کی سمت ان کا رخ موڑیں اور اس تحریکِ حسینی میں اپنی ذمہ داری ادا کریں جس تحریک کا اکمال و اتمام فرزندِ حسینؑ امام مہدی (عج) کے دستِ اقدس سے ہو گا۔

[43] اسکی تفصیل انشااللہ مصنف کی اگلی کتاب میں آئے گی (ناشر)